ماہنامہ

پاک جمہوریت

لاہور

وزیراعظم جناب سید یوسف رضا گیلانی وزیراعظم سیکرٹریٹ اسلام آباد میں
نیشنل اکنامک کونسل میٹنگ کی صدارت کرتے ہوئے (4-6-2009)

وزیرِاعظم جناب سیّد یوسف رضا گیلانی وزیرِاعظم سیکرٹریٹ میں کابینہ کی میٹنگ کی صدارت کر رہے ہیں (3-6-2009)

وزیراعظم جناب سید یوسف رضا گیلانی وفاقی وزراء کے ایک گروپ سے
وزیراعظم سیکرٹریٹ اسلام آباد میں ملاقات کے دوران (3-6-2009)

وزیراعظم جناب سید یوسف رضا گیلانی وزیراعظم ہاؤس میں پاکستان اور افغانستان
کے لئے مخصوص امریکی نمائندے رچرڈ ہالبروک سے ملاقات کے دوران (6-6-2009)

وزارتِ اطلاعات و نشریات کا جریدہ

حکومت پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کے محکمہ تعلیم کی طرف سے سکولوں اور لائبریریوں کے لئے منظور شدہ

ماہنامہ

پاک جمہوریت لاہور

نگرانِ اعلیٰ: غلام حضور باجوہ

نگران: نزہت یاسمین

چیف ایڈیٹر: سیّد محمد موئید بخاری

ایڈیٹر: غزالہ عنبرین

تزئین: محمد یونس، ارتضیٰ حسین، منیر حسین شاہ

جلد 50 شمارہ نمبر 6 رجسٹرڈ نمبر LRL 82

جون 2009ء

قیمت عام شمارہ **10** روپے

زرسالانہ **100** روپے

ڈائریکٹوریٹ جنرل آف فلمز اینڈ پبلی کیشنز

218/14 شاہد کالونی وحدت روڈ لاہور

فون:
مدیر اعلیٰ 7560837
مدیر 7520838
انتظامیہ 7521699

فہرست

حمد	حکیم خان اجمل	2
نعت	محمد افضال انجم	2
حمد	ظفر اکبر آبادی	3
نعت	اعجاز کنور راجہ	3

شخصیات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ	عنبرین اختر	4
اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے	اشفاق حسین	6
ہمارے بانی قائداعظم محمد علی جناح	سید انوار غالب	8

قومی افق

چین کا نیا رول	مرتضیٰ حسین	12

بے نظیر، ایک عہد ساز شخصیت

نذرانہ عقیدت

بے نظیر کی یاد میں	طلعت اشارت	13
تیری قیادت بھی بے نظیر	شاکر نظامی	13
گلشن کی تجلی	گل بخشالوی	14

خراج تحسین

سالگرہ	حمید اختر	15
اور زنجیر ٹوٹ گئی	محمد عامر خاکوانی	17
بی بی شہید......ذاتی تاثرات	بشیر ریاض	20
جو چلے تو جاں سے گزر گئے	عبدالقادر حسن	22
بلھے شاہ اساں مرنا ناہیں......	وقار خاں	24

مضامین

شاہی قلعہ لاہور	شیخ نوید اسلم	26
ایک سلطان اور ایک ولی اللہ کی ملا	صوبیدار میجر (ر) حاجی محمد رزاق	28
حروف کی ساخت اور املا کے قاعد	رشید احمد رشید	32
ایمان داری ہی کامیابی کی شرط اوّل	حافظ شاہد رسول	36

حفظانِ صحت

موسم کی تبدیلی اور جلد کی حفاظت	شہلا نرگس	40

مزاح

مسکرائیے	راجہ طاہر محمود	43

زراعت

بارانی علاقے میں گندم کی کاشت	زرعی فیچر	45

افسانے

پتھر کی آنکھ	نسیم اختر	47
جھنجھور	زاہد افغان	49
خاموش محبت	راجہ طاہر محمود	53

دعائیہ نظم

میرے اللہ	نسرین عصری	54

ادارہ مطبوعات پاکستان نے فریدیہ آرٹ پریس انٹرنیشنل چوک سردار چیل لاہور سے چھپوا کر 218/14 شاہد کالونی وحدت روڈ لاہور سے شائع کیا

حکیم خان حکیم

حمد

ترے کرم سے رواں ہے یہ سانس کا دریا
ترے کرم سے فروزاں ہے زندگی کا دیا
ترے کرم سے ہی کھلتے ہیں پھول گلشن میں
ترے کرم سے ہی چلتی ہے صبح بادِ صبا
ترے کرم سے ہے رخشندگی ستاروں میں
ترے کرم سے لٹاتا ہے آفتاب ضیا
ترے کرم سے نکھرتے ہیں رنگ و روپ سبھی
ترے کرم سے سنورتی ہے موسموں کی ادا
ترے کرم سے سمندر ہیں موجزن یارب؛
ترے کرم سے مچلتی ہے ساحلوں کی ہَوا
ترے کرم سے ہی پاتی ہے پرورش دنیا
ترے کرم کے ہیں طالب تمام شاہ و گدا
ترے کرم سے ملی ہے مجھے وفا تیری؛
ترے کرم کی ہے محتاج میری حمد وثنا

محمد افضال انجم

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

ہم سے اے کاش نہ چھوٹے کبھی رستہ تیرا
رہ نما اپنا رہے نقش کف پا تیرا
دل کو دے اپنی اطاعت کی انوکھی لذت
میں بھی کہلا سکوں اے کاش کہ شیدا تیرا
کیوں مقدر نہ جگاتا بھلا ان لوگوں کے
کھا کے پتھر بھی دعا دینا ہمیشہ تیرا
دل تڑپتا ہے کے یہ زیست بہت تھوڑی ہے
جانے کب آئے نظر آنکھ کو روضہ تیرا
آج گلشن پہ بیاباں کا گماں ہوتا ہے
کاش مل جائے ہمیں پھر وہی صحرا تیرا
میں گنہ گار و زیاں کار ہوں میرے مولا
لب پہ پھر بھی ہے فقط حرف تمنا تیرا
جس قدر بھی میں بھٹکتا پھروں اس دنیا میں
راہ دکھلاتا ہے اب بھی مجھے اسوہ تیرا
میری آنکھوں کے مقدر میں بھی لکھ دے معراج
میں بھی دیکھوں تو سہی نور سراپا تیرا
آج مل جائے مجھے مژدہء سیرابیِ جاں
امتی پھرتا ہے لے کر لب تشنہ تیرا
سائباں کوئی بجز تیرے نہیں ہوسکتا
آج امت کو جو درکار ہے سایہ تیرا

ظفر اکبر آبادی

حمد باری تعالیٰ

تُو سمیع ہے تُو بصیر ہے تری شان جَلَّ جَلالَہٗ
تُو عظیم ہے تُو خبیر ہے تری شان جَلَّ جَلالَہٗ

تُو جلیل ہے تُو عظیم ہے تُو رحیم ہے تُو کریم ہے
تُو رفیع ہے تُو کبیر ہے تری شان جَلَّ جَلالَہٗ

ہیں سبھی پہ تیری نوازشیں، ہیں سبھی پہ تیری عنائتیں
تو مُعین ہے تُو بصیر ہے تری شان جَلَّ جَلالَہٗ

کہاں کوئی تیری مثال ہے کہ ہے آپ اپنی مثال تُو
کہاں تیری کوئی نظیر ہے تری شان جَلَّ جَلالَہٗ

میں ظفرؔ کہوں گا یہ بے جھجک نہیں اس میں کوئی بھی ریب وشک
تُو ہی صرف ربِّ قدیر ہے تری شان جَلَّ جَلالَہٗ

اعجاز کنور راجہ

نعت

جن کے دل ونظر پہ وا، رحمت کے باب ہو گئے
طیبہ کی سمت قافلے پابہ رکاب ہو گئے
اقراء بااسم ربک آپ سے کہہ دیا گیا
ہم پر کرم ہوا کہ ہم اہلِ کتاب ہو گئے
ہم نے کتاب زیست کو صفحہ بہ صفحہ پڑھ لیا
جن میں ہے ذکر آپؐ کا اپنا نصاب ہو گئے
صلّی علیٰ حبیبہٖ وردِ زبان کر لیا
دار و مدارِ زندگی وصل کے خواب ہو گئے
ہر سو فضا و شہر میں صلّے علیٰ کی گونج تھی
جتنے بھی سانس لے لئے کارِ ثواب ہو گئے
ذرہٗ خاک پا ملا آپؐ کی راہ سے حضورؐ
ہم سے غریبِ شہر بھی عزتِ مآب ہو گئے
خوشبو نے تن بدن میں یوں جیسے قیام کر لیا
آپؐ کا نام کیا لیا ہم تو گلاب ہو گئے
عشقِ رسولِ ہاشمی جب سے عطا ہوا کنوؔر
گذرے جو ذکر کے بغیر لمحے عذاب ہو گئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ

عنبرین اختر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت انسان ایک کامل نمونہ ہیں۔ اسلامی عقیدہ کے مطابق آپ ہر عیب اور گناہ سے پاک ہیں۔ آپ نہ درشت خو، نہ بد مزاج، نہ بیہودہ گوئی کرنے والے، نہ عیب جوئی کرنے والے تھے۔ جس چیز کی خواہش نہ ہوتی اس سے تغافل اختیار کرتے۔ نہ اس کا عیب بیان کرتے اور نہ اس سے رغبت ظاہر کرتے۔

تین چیزیں آپؐ نے خود ترک فرما دی تھیں۔

☆ شک کرنا

☆ مال کثیر جمع کرنا

☆ غیر مفید باتیں کرنا

☆ تین چیزوں سے آپؐ نے لوگوں کو منع کیا تھا۔

☆ کسی کی مذمت نہیں کرتے تھے۔

☆ کسی کو عار نہیں دلاتے تھے۔

☆ کسی پوشیدہ بات کا تجسس نہیں کرتے تھے۔

صرف وہ کام کرتے جس سے آپ کو ثواب کی امید ہوتی تھی۔ آپ کو نہ تو کوئی چیز غضبناک کرتی اور نہ بیزار۔

احتیاط صرف چار باتوں پر منحصر تھی۔

☆ نیکی کے اخذ کرنے میں کہ اس کی پیروی کریں۔

☆ بدی کے ترک کرنے میں کہ اس سے باز رہیں۔

☆ بہبود امت کے امور میں عقل سے غور و فکر میں۔

☆ ان امور کو قائم کرنے میں جن سے امت کی دنیا و آخرت جمع ہو۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق تو قرآن ہے''

قرآن کہتا ہے:

انک لعلی خلق عظیم

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے شک آپ اخلاق عظیم کے درجہ پر فائز ہیں۔)

سیرت النبی سے حسنِ اخلاق کی مثالیں

☆نمازیوں کی عزت

مسجد نبوی میں جگہ بہت کم تھی جو لوگ پہلے آ جاتے وہ بیٹھ جاتے۔ ایسے موقع پر اگر کوئی آ جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے خود اپنی ردائے مبارک بچھا دیتے تھے۔

☆مہمان کی عزت

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی والد آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے چادر کا ایک گوشہ بچھا دیا، پھر رضاعی ماں آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا گوشہ بچھا دیا۔ آخر میں رضاعی برادر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کو اپنے سامنے بٹھا لیا۔

☆مساوات

ایک دفعہ دوران سفر پڑاؤ ڈالا۔ کھانا پکانے کے لئے سب نے کام بانٹ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لکڑیاں چن کر لانے کا کام اپنے ذمے لیا۔

☆راست بازی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر جھوٹ نہیں بولا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین

دشمن بھی اقرار کرتا تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا نہیں کہہ سکتا تھا۔

☆حسنِ سلوک

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونٹ پر سوار تھے۔ عقبہ بن عامر ساتھ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کہا کہ سوار ہو جائیں۔ وہ ہچکچائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ فرمایا، عقبہ نے محسوس کیا کہ یہ حکم کے خلاف ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ سے اترے اور عقبہ سوار ہو گئے۔

☆بچوں سے شفقت

ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسے حضرت حسنؓ سے پیار فرما رہے تھے۔ ایک شخص اقرع بن حابس تمیمی جو پاس بیٹھا تھا کہنے لگا، میرے دس بیٹے ہیں، میں نے تو کبھی کسی کو پیار نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

☆حسن معاملہ

ایک دفعہ کسی سے اونٹ قرض لیا جب واپس کیا تو اس سے بہتر اونٹ واپس کیا۔

☆امانت داری

کافر لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس امانتیں رکھا کرتے تھے۔

غرضیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی دنیا کے تمام مسلمانوں کے لئے ایک مشعل راہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کر کے ہی مسلمان فلاح و کامیابی کی سیڑھی پر چڑھ سکتے ہیں۔

☆☆☆☆

فرمان قائد

مسلمانوں کو تنظیم کی تلقین

اپنی تنظیم اس طور پر کیجئے کہ کسی پر بھروسہ کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ یہی آپ کا واحد اور بہترین تحفظ ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم کسی کے خلاف بدخواہی اور عناد رکھیں۔ اپنے حقوق اور مفاد کے تحفظ کے لئے وہ طاقت پیدا کر لیجئے کہ آپ اپنی مدافعت کر سکیں۔ (اجلاس مسلم لیگ 23 مارچ 1940ء)

’’اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے‘‘

اشفاق حسین

اسلام امن و آشتی کا آفاقی دین ہے، سکون اور سلامتی کا مذہب ہے۔

عالمگیر اخوت و بھائی چارہ اور باہمی الفت و محبت کا علمبردار ہے۔ رنگ و نسل اور زبان و قوم کی تمام تر قیود سے بالاتر ایسا دین ہے جس نے سدابہار، روشن خیال اور پائندہ ادوار کی تعمیر کی۔ یہاں تک کہ دوسرے تمام ادیان و مذاہب کے پیروکار اس دین کی اکثر اقدار کی تقلید کو اپنے لئے مشعل راہ سمجھتے ہیں۔ آج کے سائنسی اور ترقی یافتہ دور کے تمام تقاضوں اور نت نئی ضروریات کو پورا کرنے والا اور آنے والی نسلوں کے حقوق کے تحفظ کا دائمی اور عالمی ضامن صرف اور صرف دین اسلام ہے جس کی تعلیمات تا قیامت جانفزا اور روح افزا رہیں گی۔

ملت کے بہت سے معانی لکھے اور بتائے گئے ہیں لیکن اسلام جیسے عالمگیر مذہب نے ملت کے مفہوم کو جن سادہ مگر جامع الفاظ میں بیان فرمایا اس کی کہیں نظیر نہیں ملتی۔ اسلام کا تصور ملت سرحدوں کا محتاج نہیں، رنگ و نسل کا متقاضی نہیں، زبان و ثقافت کا مقلد نہیں، علاقائی تصورات کا پابند نہیں، معاشی اور مالی فوائد و نقصانات کا پروردہ نہیں، ادب و ہنر یا علم و فن کا پیروکار نہیں۔ یہ نہ تو ٹیکنالوجی کا مرہونِ منت ہے اور نہ ہی ترقی کی اعلیٰ منازل نے اس کے تصور کو دھندلانے کی جرأت کی بلکہ ملت کا اسلامی تصور ایسا ہمہ وقت اور عالمگیر نوعیت کا ہے جسے ہمیشہ، ہر دور میں قابلِ عزت و تکریم سمجھا گیا ہے اور سمجھا جاتا رہے گا۔ اسلام کا تصور قومیت ایک ایسے مضبوط اور مستحکم مرکز کے گرد گردش کناں ہے، جسے اپنے تو کیا بیگانے بھی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھنے پر مجبور ہیں۔ ہر دور اپنے اندر کچھ منفرد اور بنیادی تقاضوں کا متحمل ہوتا ہے اور اسلام کے علاوہ باقی تمام ادیان و مذاہب ان تقاضوں کیلئے وقتاً فوقتاً ضروری تغیر و تبدّل کے حاجت مند رہے ہیں لیکن اسلام نے ایک ایسا تصورِ حیات دیا ہے جو ہر خطّہ اور ہر طرح کے حالات میں یکساں مؤثر اور مناسب ترین سمجھا جاتا رہا ہے۔

قرآن مجید میں ملتِ اسلامیہ کے تصور کو ان الفاظ میں واضح کیا گیا ہے۔

ترجمہ: ’’اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں تفرقہ بازی نہ کرو‘‘ (القرآن)۔ مذکورہ آیت کریمہ اس امر کی واضح نشاندہی کرتی ہے کہ ملتِ اسلامیہ کا واحد مرکز اللہ کی رسی ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے۔ ترجمہ: ’’تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں‘‘ (القرآن)۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ یہاں تمام دنیا کے مسلمانوں کو بغیر کسی معاشرتی یا ثقافتی امتیاز کے آپس میں سگے بھائی کی مانند بتایا گیا ہے اور اسی ملت کو قرآن کریم نے ’’خَیرُ اُمَّۃ‘‘ کے نام سے منسوب کیا ہے اس لئے کہ اللہ نے اس امت کو اپنے پسندیدہ دین سے نوازا۔ اسلام کو باری تعالیٰ نے بطور ضابطۂ حیات، بطور طریقِ زندگی، بطور ثقافت، بطور راہِ نجات، بطور مقصدِ حیات ہر لحاظ سے پسند فرمایا اور پھر پسندیدگی پر مہر تصدیق ثبت فرماتے ہوئے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی۔

ترجمہ ’’آج کے دن ہم نے تم پر اپنا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔‘‘ (القرآن)

یہ آیت اس امر کی تصدیق کرتی ہے

کہ اللہ نے اس دین کو تکمیل کے مراحل تک پہنچایا اور ساتھ ہی وضاحت فرمادی کہ اب اس میں کسی تبدیلی یا ترمیم کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر زمانے اور ہر دور کے جدید تقاضوں کیلئے اس دین کو قیامت تک کیلئے مکمل کر دیا اور اپنی اس نعمت کو اختتام کی منزل تک پہنچایا۔ ملت اسلامیہ میں وحدت ویگانگت پیدا کرنے کیلئے اور باہمی اتحاد و اتفاق کا درس دیتے ہوئے اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ترجمہ: ”اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ“ (الحدیث)۔ اسی طرح حجتہ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ترجمہ: ”تم سب ایک آدم علیہ السلام کی اولاد ہو، کسی گورے کو کسی کالے پر، نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت ہے۔“

اس عالمگیر پیغام اور تا قیامت زندہ رہنے والے چارٹر میں ملتِ اسلامیہ کی وحدت کا وہ فلسفہ پوشیدہ ہے جو کسی دوسری قوم کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ اسی پیغام کو عام کرنے کیلئے ترجمانِ حقیقت علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

۔ ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

اور

۔ اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

فرمان قائد ایک خدا، ایک کتاب اور ایک رسول پر یقین

مسلمان ایک خدا، ایک کتاب اور ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یقین رکھتے ہیں۔ مسلم لیگ کی کوشش یہ ہے کہ ان کو ایک پلیٹ فارم پر ایک پرچم تلے جمع کیا جائے۔ یہ پرچم پاکستان کا پرچم ہے۔

(مسلم لیگ کانفرنس، پشاور 21 نومبر 1945ء)

ہمارے بانی، قائداعظم محمد علی جناحؒ

سید انوار غالب

اندھیری رات کے روشن ستارے، بابائے ملّت قائداعظم محمد علی جناح رحمتہ اللہ علیہ بانئ پاکستان، قوم کے روحانی باپ اور بے بدل رہنما تھے۔

آپ سیلف میڈ، زیرک اور بے حد محنتی، مکمل دانشور عظیم مدبر اور کامیاب لیڈر تھے۔

قائداعظم کارل مارکس۔ وی آئی لینن اور عظیم ماؤزے تنگ اور ہوچی منہہ، چرچل اور سٹالن سے بڑے لیڈر تھے۔ حقیقی محبوبِ ملت اور محبِ پاکستان تھے۔

اگر قائداعظم اپنی آپ بیتی یا خودنوشت سوانح حیات لکھتے تو وہ گاندھی، نہرو اور چرچل کی کتابوں سے زیادہ اہم آپ بیتی ہوتی۔ مگر وہ ذاتی زندگی کو عام کرنا غالباً پسند نہیں کرتے تھے ان کے پاس وقت بھی نہیں تھا اور دیگر اہم کام ان کی ترجیحات تھے۔

حضرت علیؓ بابِ مدینۃ العلم کی تعلیمات، فیصلے سازی اور حکمت عملی ہمیشہ قائداعظم کیلئے مشعل راہ رہے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ انسان سوئے ہوئے ہیں جب مریں گے تو جاگیں گے۔ جو شخص خود کو پسند کرتا ہے وہ پھر دوسروں کو اکثر ناپسند ہو جاتا ہے۔ لوگوں سے اس طرح ملو کہ اگر تم مر بھی جاؤ تو وہ تم پر روئیں اور زندہ رہو تو تمہارے مشتاق ہوں۔ خواہشات کو ترک کردو۔ عقلمند کی زبان اس کے دل کے پیچھے ہوتی ہے۔ قناعت نہ ختم ہونے والا سرمایا ہے۔ دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ قائداعظم میں یہ صفات بدرجۂ اتم موجود تھیں۔

قائداعظم قول وفعل کے دھنی اور حقیقی انصاف پسند رہنما تھے ان کی زندگی اور افکار ملت کی رہنمائی کے لئے ایک خزانہ ہیں۔

بلاشبہ پاکستان کے بانی اور پہلے گورنر جنرل قائداعظم محمد علی جناحؒ بے پناہ علمی و فکری خوبیوں کے مالک تھے۔ اُن کی زندگی کا سیاسی پہلو اس امر کا گواہ ہے۔ اُن کے دشمنوں نے بھی آپ کی ذہانت اور فکری استعداد کو تسلیم کیا۔

قائداعظم اعلیٰ پائے کے مانے جانے والے وکیل اور سخت گیر اصول پسند انسان بھی تھے۔

آپ وقت کے پابند اور وعدے کے پکے تھے۔ بے حد محتاط اور شائستہ اور خوش لباس بھی تھے۔ مطالعے کے شوقین تھے مگر ہر کتاب یا تحریر نہیں صرف پسند کا لٹریچر ہی پڑھتے تھے۔

قوم نے انہیں قائداعظم قرار دیا اور ان کی ہر بات کو ہمیشہ سچ اور اصولی تسلیم کیا وہ بے حد مقبول اور شریف النفس رہنما تھے۔

ملت کا پاسباں ہے محمد علی جناحؒ

قائداعظم محمد علی جناحؒ دنیا کے کسی بھی رہنما سے زیادہ کامیاب لیڈر تھے۔ وہ مسائل اور ان کے حل کی بے پناہ دانائی حکمت اور ذہانت کا بروقت دور اندیشانہ استعمال کرنے

کی صلاحیت اہلیت اور کردار کی قوت رکھتے تھے۔

آپ کے افکار، نظریات اور اقوال ملّت کا انمٹ اثاثہ ہیں۔ وہ کئی صدیوں کے انسان تھے اور مسلمانوں کے دکھ درد بخوبی جانتے اور سمجھتے بھی تھے۔

قائداعظم جیسا رہنما بلاشبہ صدیوں میں کہیں جا کر کسی ملک وقوم کو قیادت وسیادت کیلئے میسر آتا ہے اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ پاکستان اور اس کے عوام کا مفاد، ترقی اور استحکام انہیں جان و دل سے عزیز تھا وہ جمہوریت کے سختی کے ساتھ دلدادہ اور پُرزور حامی اور پُرجوش مقلّد تھے۔

برصغیر کے مسلمانوں کو اخوت، اتحاد، یگانگت اور یکجہتی کی مضبوط رسّی میں مربوط اور منظم قوم بنا کر قائداعظم نے آزادی دلوائی اور الگ وطن پاکستان حاصل کیا۔

یوں دی ہمیں آزادی کہ دنیا ہوئی حیران
اے قائداعظم تیرا احسان ہے احسان

قائداعظم جھوٹ سے سخت نفرت کرتے، ہمیشہ سچ بولتے اور ذمہ داری واحتیاط سے بات کرتے اور لکھتے تھے۔ کبھی اپنی بات کی تردید یا وضاحت نہ کرتے جو ایک بار کہتے اور سچ جان مان کر طے کر لیتے پھر اس پر ڈٹ جاتے۔ قول وفعل کی یکسانیت اور یہی توازنِ احتیاط ان کی شائستگی کی شان تھی۔

قائداعظم بچوں سے بے پناہ الفت اور خصوصی لگاؤ رکھتے تھے۔ بچوں خصوصاً طلباء کو ملّت سازی میں مستقبل کی امید جانتے اور مانتے تھے۔ ان کا پیغام بچوں کے لئے کچھ ان خیالات کا آئینہ دار تھا۔

پاکستان ایک شجر سایہ دار اسلامی جمہوری ملک ہے۔ یہ ساری دنیا کے مسلمان مظلوم، مقہور، ظلم استحصال اور بے انصافی کے شکار لوگوں کی پناہ گاہ ہے۔ اس کو قائداعظم نے اپنی محنت کے پسینے سے سینچا اور خونِ دل وجگر سے اس کی حقیقی آبیاری کی ہے۔ یہ سدا قائم آباد زندہ سلامت اور مسلسل ترقی کرتا رہے گا۔

ملک کو مستحکم کرنا اس کی سلامتی اخوت اور اتحاد کیلئے کام کرنا یہی قائداعظم کا حقیقی ادھورا قومی عظیم مقصد، وژن اور مشن ہے

پاکستان زندہ باد قائداعظم زندہ باد جمہوریت پائندہ باد۔

☆☆☆☆☆

فرمان قائد

دغابازی سے بچنے کی نصیحت

اگر مسلمانوں کو اپنے عزائم اور مقاصد میں ناکامی ہوگی تو مسلمانوں ہی کی دغابازی کے باعث ہوگی جیسا کہ گزشتہ زمانے میں ہو چکا ہے۔ میں دغابازوں کا ذکر پسند نہیں کرتا لیکن ہر انصاف پسند اور سچے مسلمان سے میری یہ درخواست ہے کہ اپنی جماعت کی فلاح و بہبود کی غرض سے متحد و متفق ہو کر مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر آ کر اس کے پرچم کے نیچے کام شروع کر دے۔ (سندھ مسلم لیگ کانفرنس، کراچی 9 اکتوبر 1938ء)

چین کا نیا رول

مرتضیٰ محسن

جنوبی ایشیا کے خطے اور عالمی افق پر اس وقت تنازعات، متنوع خطرات، شکوک وشبہات اور غیر ریاستی عناصر کی تخریبی کارروائیوں کے نتیجے میں ناقابل تلافی نقصانات کے تاریک بادل چھائے ہوئے ہیں جو دنیا اور خطے کے امن، سلامتی، ترقی اور خوشحالی کے لئے سنگین چیلنجز کے طور پر ابھرے ہیں۔ اس مایوس کن منظرنامے پر صدر زرداری کو چین کی شکل میں عالمی سلامتی، ترقی اور خوشحالی کی ضمانت کی جو کرن اور امید نظر آئی ہے۔ اس سے بجا طور پر عالمی مبصرین، سفارتی حلقے اور میڈیا کے تجزیہ کار مکمل طور پر متفق ہیں اور ان کی دوررس نگاہی، سیاسی فہم و فراست اور تدبر و بصیرت کے قائل ہو گئے ہیں۔ صدر زرداری کی نگاہ میں چینی قیادت کی ترقی کے حوالے سے ٹھوس، جامع اور معقول سوچ اور حکمت عملی کی دھاک نہ صرف ایشیا بلکہ دنیا بھر کے عوام کے دلوں میں بیٹھ چکی ہے۔ چین نے اپنی بالغ نظر قیادت اور باہمت عوام کے اتحاد، عزم و استقلال کی بدولت انتہائی پرامن ماحول میں سائنس ٹیکنالوجی، دفاع، زراعت، تجارت، توانائی، انفراسٹرکچر، بنکاری، آئی ٹی، ٹیلی مواصلات، غرضیکہ زندگی کے تمام شعبوں میں نہایت سرعت کے ساتھ ترقی کی ہے جو پاکستان، ایشیا اور پوری دنیا کے لئے قابل فخر ماڈل کی حیثیت رکھتی ہے۔ حالیہ مالیاتی سونامی میں امریکہ، یورپ، جاپان کینیڈا، آسٹریلیا جیسے مضبوط ممالک اور عالمی طاقتوں کی معیشتیں متزلزل ہو کر رہ گئی ہیں مگر چین کی معیشت 2 کھرب ڈالر کے زرمبادلہ اور دنیا کے تیز ترین گروتھ ریٹ کے ساتھ دیوار چین کی طرح مضبوط و مستحکم رہی ہے۔ ڈیلی چین میں لکھے گئے اپنے حالیہ کالم میں صدر زرداری نے بجا طور پر چین کی ترقی اور مضبوط معیشت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے چین کو خلیج، عرب ممالک، وسط ایشیا اور دنیا بھر کے اربوں صارفین کی نئی منڈیوں تک مختصر اور تیز ترین رسائی کیلئے پاکستانی بندرگاہوں یعنی گوادر، کراچی اور پورٹ قاسم سے استفادہ کرنے کا نہ صرف صائب مشورہ دیا ہے بلکہ اس کی راہ ہموار کرنے کے لئے اپنے حالیہ دورہ چین میں اپنے گرم پانیوں تک رسائی کی فراخدلانہ پیشکش کے ساتھ ہی چینی ہاربر کمپنی اور پاکستان کی نیشنل ڈریجنگ کمپنی کے درمیان تعاون کے حوالے سے مفاہمت کی یادداشت پر دستخط کی راہ ہموار کر کے دونوں ممالک کے علاوہ چین اور عالمی مارکیٹوں کے درمیان بحری تجارت کو وسعت دینے کا نیا باب کھولا ہے جس سے پاکستان کی معیشت، تجارت اور کاروبار کو بھی فائدہ پہنچے گا۔ اس طرح صدر آصف علی زرداری نے چین کی تجارت اور معیشت کو وسعت دینے اور عالمی معیشتوں کو سہارا دینے میں چین کے نئے اقتصادی کردار کی راہ ہموار کر دی ہے۔ صدر زرداری نے دہشت گردی کے موجودہ چیلنج سے بخوبی انداز سے نمٹنے کے لئے چین کو بھی اپنا فیصلہ کن کردار ادا کرنے کے لئے قائل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اپنے کالم کے علاوہ چین کے تھنک ٹینکس شنگھائی انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل سٹڈیز، شنگھائی اکیڈمی آف سوشل سائنسز، فوڈ ان یونیورسٹی کے علاوہ چین کے پرنٹ اور

الیکٹرانک میڈیا سے خطاب کے دوران صدر زرداری نے چین کو باور کرایا کہ دہشت گردی میں کوئی ریاست ملوث نہیں بلکہ ایسے غیر ریاستی عناصر ملوث ہیں جن کا اپنا کوئی نقصان نہیں ہوتا، ان کا کچھ بھی داؤ یا سٹیک پر نہیں لگا ہوا بلکہ وہ خطے اور دنیا کے امن کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان عناصر کی بیخ کنی کے لئے انہوں نے چین سے بھی بجا طور پر معاونت طلب کی۔ انہوں نے اس حقیقت کو بھی اجاگر کیا کہ پاکستان اپنی اور دنیا کی حفاظت اور دہشت گردی کی آگ کے شعلے خطے تک پھیلنے سے روکنے کے لئے اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر دہشت گردوں یعنی غیر ریاستی عناصر کے خلاف جنگ لڑ رہا ہے مگر اس عفریت سے نمٹنے کے لئے پاکستان تنہا لڑائی نہیں لڑ سکتا بلکہ چین کو بھی پاکستان کی مدد کرنی چاہیے۔

چین کی 14 ممالک سے سرحدیں ملتی ہیں اور جنوبی ایشیا میں وہ واحد ملک ہے جو معاشی طور پر انتہائی مستحکم اور طاقتور ہے۔ وہ بلاشبہ صدر زرداری کے الفاظ میں ایشیا کی ترقی کا انجن ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے اس تلخ حقیقت کی بھی نشاندہی کی کہ بدقسمتی سے خطے کے ممالک باہمی تنازعات، مسائل میں الجھے ہونے کی وجہ سے ترقی کے ثمرات سے محروم ہیں۔ انہوں نے خطے کی لیڈنگ قیادت اور طاقت کی علامت کے طور چین سے بجا طور پر اپیل کی ہے کہ وہ اپنا اثر رسوخ استعمال کرتے ہوئے خطے کے ممالک کے تنازعات کے حل میں ممکن ہو تو ثالث کا کردار ادا کرے۔ چین واحد ملک ہے جس نے اب تک اپنی تمام تر توجہ معاشی اور دفاعی استحکام پر مرکوز رکھی ہے۔ مگر چونکہ موجودہ سیناریو میں خطے میں نیٹو اور دیگر طاقتیں فوجی اور سیاسی کردار ادا کر رہی ہیں مگر وہ دہشت گردی پر قابو پانے میں ناکام رہی ہیں جس کے نتیجے میں علاقے اور خطے کو مطلوبہ امن اور خوشحالی نہیں مل سکی۔ چنانچہ پہلی بار صدر زرداری نے چین سے جنوبی ایشیا کو دہشت گردی اور باہمی تنازعات سے پاک کرنے کے لئے سیاسی کردار ادا کرنے کی درخواست کی ہے۔ صدر زرداری نے چین کے ساتھ پاکستان کی سدابہار، آزمودہ اور قابل فخر دوستی کو ہمالیہ کی بلندی تک لے جانے کی خواہش کا بھی اظہار کیا ہے۔ اس دوستی کی بنیاد شہید ذوالفقار علی بھٹو نے رکھی جسے ان کی مدبر اور دانشور بیٹی اور عالمی سیاستدان بے نظیر بھٹو نے پروان چڑھایا اور صدر زرداری اس دوستی کو نئی رفعتوں سے ہمکنار کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ انہوں نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ ماضی میں پاک چین تعلقات میں قدرے سست روی آئی مگر اکتوبر 2008ء میں انہوں نے چین کا دورہ کر کے مختلف شعبوں میں تعاون کے فروغ کے لئے 11 معاہدے اور ایم او یوز پر دستخط کرنے کے ساتھ آزاد تجارت کے سمجھوتے اور پنجسالہ ترقیاتی منصوبے کے ذریعے موجودہ تجارتی حجم 6.9 بلین ڈالر کو 15 ارب ڈالر تک لے جانے کی بنیاد رکھ دی ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے چین کا ہر تین ماہ بعد دورہ کر کے عالمی ڈپلومیسی میں واحد اور منفرد مثال قائم کی تاکہ مختلف شعبوں میں چین کی تازہ ترین اور جدید ترین ماڈل اور ترقی کی پیشرفت سے آگاہ رہ سکیں اور تعاون و اشتراک کے نئے ایریاز کی بھی نشاندہی ہوتی رہے۔ چنانچہ ان کے حالیہ دورہ چین میں انہوں نے ہائیڈل پاور جنریشن اور زرعی ترقی کے چین کے نئے ماڈلز کا مشاہدہ کیا اور پن بجلی کی پیداوار کے لئے چینی طرز کے ڈیمز تعمیر کرنے اور زرعی پیداوار بڑھانے کے لئے بیجوں کی ترقی یافتہ شکل اپنے ہاں متعارف کرانے اور آبپاشی کے نئے چینی نظام ڈرپ اریگیشن، بی ٹی کلرڈ کاٹن کے فروغ کے سلسلے میں چین سے 6 ایم او یوز اور سروسز کے شعبے میں تجارتی تعاون بڑھانے کے لئے ایک معاہدے پر دستخط کئے جس سے دونوں ملکوں میں تجارت، بندرگاہی تعاون کو فروغ ملے گا۔ آزاد تجارتی معاہدہ جون میں فعال ہونے سے تجارتی حجم بڑھے گا۔ اس کے علاوہ انہوں نے چین کے مالیاتی اداروں اور بنکوں کے سربراہوں سے خطاب کرتے ہوئے چینی سرمایہ کاروں کو پاکستان کے سرمایہ کار دوست ماحول

سے فائدہ اٹھانے کی پیشکش کی جس سے دونوں ملکوں کے تعلقات سمندروں سے گہرے اور ہمالیہ سے اونچے کرنے کا صدر زرداری کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے گا۔ دورے کے آخر میں انہوں نے شنگھائی سے اپنے چینی ہم منصب ہو جنتاؤ سے ٹیلی فونک گفتگو کرتے ہوئے دو طرفہ امور، علاقائی، عالمی صورتحال خاص طور پر جنوبی ایشیا میں امن اور باہمی اقتصادی تجارتی تعاون بڑھانے پر اتفاق کیا۔ صدر زرداری نے شنگھائی کے میئر ہینگ بینگ سے ملاقات کی اور شنگھائی اور کراچی کے درمیان روابط بڑھانے، عوامی وفود کی تعداد میں اضافے اور پاک چین تعلقات کو گہرا اور وسیع کرنے کے معاملات پر مفید تبادلہ خیال کیا۔

☆☆☆☆☆

فرمان قائد

مسلمانوں میں اتحاد کی ضرورت

مجھے یقین ہے اور آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ کانگریس کی حکمت عملی یہ ہے کہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالی جائے۔ یہ برطانوی حکومت کی وہی پرانی چالیں ہیں۔ کانگرسی اپنے آقاؤں کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔ تم کبھی ان کی چالوں میں نہ آنا۔ مسلمانوں کے لئے یہ زندگی اور موت کا لمحہ ہے۔ مجھ سے یہ سن لیجئے کہ اگر مسلمانوں میں اتحاد نہ ہوا تو وہ کسی قیمت پر بھی تباہی سے نہیں بچ سکیں گے۔ (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ 5 فروری 1938ء)

طلعت اشارت

بے نظیر کی یاد میں

آہوں کا وہ دھواں تھا کہ دل کا غبار تھا
اک ماہ رخ، جو سوگ کے بادل میں چھپ گیا

فانی جہاں سے ہو تو گیا تیرا انتقال
پر نام تیرا زندۂ جاوید ہو گیا

سب چھوڑ چھاڑ، راہی ملک عدم ہوئی
روشن دیئے کو دست ستم نے بجھا دیا

ایسا سفر کہ سر نہاں جس کا ہر پڑاؤ
منزل کہ جس پہ راز کا پردہ پڑا ہوا

کس کس کو اپنے خواب کی تعبیر مل گئی
کس کس کو اقتدار کا ظلِ ہما ملا

طلعتؔ یہ کون جانے کہ پردے میں کون تھا
یہ کس کی شہہ پہ شہر مرا خوں چکاں ہوا

شاکر نظامی

تیری قیادت بھی بے نظیر

تو غیرت عوام ہے اے دختر وطن
تیرا ہی یہ مقام ہے اے دختر وطن

جس در پہ سجدہ ریز ہیں شاہ و گدا سبھی
اس در کی تو غلام ہے اے دختر وطن

تو نے وطن کے واسطے لاکھوں ستم سہے
تجھ کو میرا سلام ہے اے دختر وطن

بھٹو شہید نے جو دیا تھا عوام کو
تیرا وہی پیام ہے اے دختر وطن

ہاتھوں میں باگ ڈور حکومت کی ہے ترے
اب عدل کو دوام ہے اے دختر وطن

مظلوم کی پکار ہے تو اس لیے ترا
ہر دل میں احترام ہے اے دختر وطن

گل بخشالوی

گلشن کی تتلی

دل کے نیلے امبر پر جو روشن چاند ستارے ہیں
بھٹو بی بی کے ہیں بچے ہم کو جان سے پیارے ہیں

چھوڑ گئی تو دنیا گلشن جنت گلشن کی تتلی
تیرے باغ کے تینوں بچے دیس کی آنکھ کے تارے ہیں

آصفہ بیٹی، بختاور! بلاول بھٹو زرداری
اس دھرتی میں ہر گلشن کے سارے پھول تمہارے ہیں

تیری صورت ان کی صورت ہی میں اب ہم دیکھیں گے
تیری خوشبو اس دھرتی پر تیرے راج دلارے ہیں

تو بابا کے پاس گئی اور ہم کو تنہا چھوڑ گئی
ہم نے بھی تو یاد میں اس کی کتنے سال گزارے ہیں

آنکھوں کے ہر منظر میں تو تتلی گلشن دھرتی کی
تیری یاد کے لمحے لمحے جیون کے انگارے ہیں

گلشن کے ہر گل میں بس اب تیری صورت دیکھیں گے
جینا مرا ساتھ تھا تیرے تو جیتی ہم ہارے ہیں

سالگرہ

حمید اختر

پاکستان پیپلز پارٹی اور بے نظیر بھٹو کے خاندان نے شہید بی بی کی برسی کی بجائے اس کی سالگرہ منانے کا بہت درست فیصلہ کیا ہے۔ 1984ء میں فیض احمد فیض کی رحلت کے بعد فیض صاحب کے خاندان اور دوستوں نے بھی یہی فیصلہ کیا تھا کہ وہ اردو زبان کے اس عظیم شاعر کی برسی کی بجائے ہر سال اس کی سالگرہ منایا کریں گے۔ کئی برس تک فیض میلے کے نام سے مرحوم کی سالگرہ کا جشن باقاعدگی سے منایا جاتا رہا۔ اگرچہ بعد میں بوجوہ یہ سلسلہ رک گیا۔ بڑے لوگوں کی موت کا سوگ منانے کے بجائے ان کے کارناموں پر فخر کا اظہار کرنا یقیناً زیادہ بہتر ہے۔

آج 21 جون 2008ء کو بے نظیر شہید کی رحلت کے بعد پہلی بار اس کی سالگرہ منائی جا رہی ہے۔ اس سے قبل یہ دن ہمیشہ اس کی زندگی میں منایا جاتا رہا۔ آج مرحومہ کی سالگرہ مناتے وقت اس ملک کے لاکھوں کروڑوں افراد کا دل فیض کی رحلت کے بعد ان کے جشن سالگرہ کے منانے کے مقابلے میں کہیں زیادہ بوجھل ہے اس لئے کہ فیض تو ایک بھرپور زندگی گزار کر قدرتی موت کی دہلیز پر پہنچے تھے جبکہ ظالموں نے بے نظیر بھو شہید کی جو ابھی اپنے مشن کی تکمیل کے خواب دیکھ رہی تھیں اچانک زندگی کا چراغ گل کر دیا تھا۔ وہ جو اس ملک کے کروڑوں دلوں کی دھڑکن تھی، وہ جس کی جرأت، بہادری، فہم و فراست اور انسان دوستی کے ڈنکے چار دانگ عالم میں بج رہے تھے، وہ جس نے ہوش سنبھالتے ہی اپنے عظیم والد کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے اور پھر اس کے عدالتی قتل کا صدمہ برداشت کرنے کے بعد دو جوان بھائیوں کو فنا کے گھاٹ اترتے ہوئے دیکھا، جو شادی کے بعد بھی تقریباً دس برس تک خاوند کی جدائی برداشت کرنے اور جلا وطنی کی زندگی گزارنے پر مجبور رہی اور جو وطن کی محبت میں سرشار ہو کر ہر قسم کے خطرات کا مقابلہ کرنے اور ابنائے وطن کے دکھ درد میں شریک ہونے کے جذبے سے مغلوب ہو کر بالآخر وطن واپس آئی۔ اسے بے رحم اور سفاک قاتلوں نے خون میں نہلا دیا۔ وہ اس خاندان کا آخری روشن ستارہ تھی جس کی قربانیوں کی داستان طویل اور دکھوں بھری ہوئی ہے۔ اس ستارے کی روشنی غائب ہوئی تو جیسے چار سو اندھیرا چھا گیا۔ وہ ایک ہنس مکھ، خوش مزاج اور خوش اطوار خاتون تھی۔ ایک مثالی ماں تھی اور سیاسی فہم و فراست میں اپنے مرحوم والد کی سچی تصویر بھی۔ بھٹو صاحب کی ذہانت سیاسی فہم اور عوام دوستی کے بارے میں کسی کو شبہ نہ ہونا چاہئے مگر ان کا رعب و دبدبہ ایسا تھا کہ ان کے قریبی لوگ بھی ان سے ڈرے ڈرے رہتے تھے۔ اس کے برعکس بے نظیر ہر لحاظ سے ایک مہربان شخصیت تھی۔

بے نظیر شہید کی زندگی میں اس کی سالگرہ کے موقع پر ذاتی طور پر ہمارے لئے خوش ہونے کا ایک اور سبب بھی ہے، ہماری بڑی بیٹی صبا کی سالگرہ کی تاریخ بھی وہی ہے جو مرحومہ کی سالگرہ کی تھی۔ صبا اگرچہ عمر میں شہید بے نظیر بھٹو سے چند برس چھوٹی ہے مگر اس کی پیدائش بھی 21 جون ہی ہے۔ اس لئے ماضی میں ہم ہر سال اپنے گھر میں اپنی بیٹی کی سالگرہ

منانے کے ساتھ بے نظیر کو بھی یاد کرتے تھے، خاص طور سے اس کی جلاوطنی کے دوران، افسوس آئندہ ہمارے لئے یہ خوشی ہمیشہ ادھوری ہوگی۔ مرحومہ میں ایک جرأت مند اور باحوصلہ خاتون ہونے کے علاوہ اور بھی بہت سی خوبیاں تھیں۔ پارٹی کے کارکنوں سے اس کا گہرا تعلق تھا اور برسوں بعد بھی وہ کارکنوں کو پہچاننے یا ان کا نام یاد رکھنے کی بے پایاں اہلیت رکھتی تھیں۔ نواز شریف صاحب کے پہلے دور حکومت میں جب ہم پیپلز پارٹی کے اخبار روزنامہ مساوات کے ایڈیٹر بنے تو سرکاری اشتہارات کی بندش اور سرمائے کی کمی کی وجہ سے یہ اخبار اور اس کا عملہ بدترین قسم کے حالات سے گزر رہا تھا۔ اس زمانہ میں ہماری ان سے دو تین ملاقاتیں ہوئیں جن میں اخبار کے بارے میں بات چیت ہوئی۔ 1995ء میں جب ہم گلے کے کینسر میں مبتلا ہوئے تو برادر عزیز بشیر ریاض کے توجہ دلانے پر بطور وزیر اعظم پاکستان کے مرحومہ نے سرکاری خرچ پر ہمارا علاج کرانے کا حکم نامہ جاری کیا۔ بس ہمارا ان سے اتنا ہی تعلق رہا، ذاتی یا خاندانی سطح پر ان سے ہمارا زیادہ میل جول کبھی نہیں رہا کیونکہ ہم پیپلز پارٹی کے ہمدردوں میں ضرور شامل رہے ہیں اس جماعت کے رکن کبھی نہیں رہے۔ ابھی ہماری باتصویر کالم نویسی کا دور بھی شروع نہیں ہوا تھا جو صحافیوں اور سیاسی رہنماؤں میں رابطے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ 1995-96ء تک برسوں ہم اداریہ نویسی کرتے رہے اور اداریہ نویس گمنام ہوتا ہے۔ ان کی جلاوطنی کے دوران بھی مرحومہ سے رابطہ نہیں رہا مگر سرکاری سطح پر ہمارے علاج کے تقریباً گیارہ برس بعد ایک عجیب واقعہ پیش ہوا۔ بی بی مرحومہ دبئی میں قیام پذیر تھیں۔ ہماری دوسری بیٹی ہما بھی اپنے شوہر کی ملازمت کی وجہ سے پندرہ بیس برس سے وہیں تھی۔ ایک محفل میں ان دونوں کی ملاقات ہوئی اور خالص زنانہ سطح پر کپڑوں کی ڈیزائننگ اور سلائی کی باتیں ہوتی رہیں۔ جب شہید بے نظیر نے ہما سے اس کے گھر اور خاندان کے بارے میں استفسار کیا اور اس نے بتایا کہ وہ ہماری بیٹی ہے تو انہوں نے فوراً پوچھا ''حمید اختر صاحب کیسے ہیں؟ انہیں کینسر ہوا تھا۔ کیا اب وہ ٹھیک ہیں؟'' رات کو جب ہماری بیٹی نے فون پر ہمیں یہ تفصیل بتائی تو وہ خاصی اکسائیٹڈ تھی۔ ہمیں بھی حیرت ہوئی کہ اتنے مشکل حالات میں گھری ہوئی اور جلاوطنی میں شوہر کی غیر موجودگی میں بچوں کی پرورش کی تگ و دو میں مبتلا اس خاتون کو ہماری بیماری کی بات کیسے یاد رہ گئی۔

کالم کے آغاز میں برسی کے بجائے سالگرہ منانے کے سلسلے میں ہم نے فیض صاحب کا جو حوالہ دیا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ فیض کی رحلت کو 24 برس گزرنے کے بعد جس طرح ان دنوں نئی نسل فیض کی بازیافت کر رہی ہے اسی طرح آنے والے زمانوں میں بے نظیر شہید کو بھی ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ان دنوں سیاسی تجزیہ نگار اور رہنما اپنی تحریروں اور تقریروں میں جس طرح فیض کے اشعار دہرا رہے ہیں اس سے ان کی شاعرانہ عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ شاعر ہو یا سیاسی رہنما اپنے عہد کا ترجمان ہوتا ہے اور لوگوں کے دلوں کو چھونے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اس کی مثال فیض بھی ہے اور بھٹو شہید بھی اور بے نظیر بھی اسی طرح اس ملک کے آنے والی نسلوں کے دلوں میں یقیناً زندہ و پائندہ رہے گی۔ اس نے اپنی مختصر زندگی میں ذاتی طور پر جو قربانیاں دی ہیں اور اپنے والد اور بھائیوں کی جدائی کے صدمات جس طرح برداشت کئے ہیں ان کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ پیپلز پارٹی اور ان کے اہل خاندان نے ان کی بے وقت اور غیر قدرتی موت کا سوگ منانے کے بجائے سالگرہ کے موقع پر ان کے کارکنوں پر فخر کا اظہار کرنے کا جو فیصلہ کیا ہے وہ ہر لحاظ سے درست ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ شہید مرتے نہیں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

آخر میں ہم آصف علی زرداری سے جنہوں نے بے نظیر شہید کا سیاسی ورثہ سنبھالا ہے، کی خدمت میں فیض صاحب ہی کا ایک شعر پیش کر رہے ہیں۔

آج ہر موج ہوا سے ہے سوالی خلقت
لا کوئی نغمہ کوئی صورت تری عمر دراز

اور زنجیر ٹوٹ گئی

محمد عامر خاکوانی

ہر دور کا اپنا المیہ ہوتا ہے۔ تاریخ میں کسی واقعہ کو اس کے پس منظر میں ہٹا کر نہیں دیکھا جاتا، مگر بعض مناظر مختلف ادوار میں ہونے کے باوجود ایک خاص قسم کی ہم آہنگی رکھتے ہیں۔ پچھلے کئی گھنٹوں سے میرے ذہن میں ایسے ہی مناظر کی فلم چل رہی ہے۔ انقلاب فرانس 1789ء کے ایک منظر میں، ڈانٹن تختے کے سامنے کھڑا ہے۔ اس کی قمیص پر بہترین دوستوں کے خون کے چھینٹے پڑے ہیں۔ وہ جلاد سے مخاطب ہو کر کہتا ہے، ’’لوگوں کو میرا سر دکھانا نہ بھولنا، زحمت تو ہو گی، مگر میرا سر اس زحمت کا مستحق ہے۔‘‘

ہندوستان کی تاریخ میں ایسے کئی المیے نظر آتے ہیں۔ 18 جون کی وہ لہولہو صبح کون بھول سکتا ہے جب جھانسی کی رانی لکشمی بائی اپنے لال کرتی فوجی دستے کا مردانہ لباس پہن کر دونوں ہاتھوں میں تلواریں سونتے انگریز فوج سے برسر پیکار ہوئی۔ رانی کی آہنی خود پر زرتاری لال صافہ بندھا تھا۔ اس نے آخری لمحوں تک فرنگیوں کا مقابلہ کیا۔ پھر گولیوں سے چھلنی وجود کے باوجود گھوڑا دوڑا کر سون ریکھا نالا پار کر لیا۔ پٹھان سردار گل محمد اور رگھوناتھ سنگھ ان کے ساتھ تھے۔ رانی آخری سانسوں کے دوران بولی’’میں نے عہد کیا تھا کہ فرنگی مجھے زندہ گرفتار نہیں کر سکے گا۔ اب میری خواہش ہے کہ گورے سپاہی میری لاش کو بھی نہ چھو سکیں۔‘‘ جوگی بابا گنگا داس نے، جس کی کٹیا کی لکڑیاں رانی کی چتا کے لئے استعمال ہوئیں، کہا تھا۔ ’’جس طرح روشنی امر ہے اسی طرح جھانسی کی رانی بھی امر ہو گئی۔‘‘ مجھے ملتان کا آخری مسلمان نواب مظفر خان سدوزئی یاد آتا ہے۔ اسی سالہ بوڑھے نواب کے قریبی عزیز سکھوں سے جا ملے تھے، مگر اس نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا۔ مظفر خان سبز لباس میں ملبوس چند وفادار پٹھانوں کے ساتھ قلعے سے باہر نکلا اور سکھوں سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔

تاریخ میں ایسے افراد تو بہت ملتے ہیں جو اس سفاکی کے ساتھ قتل کئے گئے کہ آنے والی کئی نسلیں اس المیے کے اثر سے نہ نکل پائیں، مگر ایسے گھرانے چند ایک ہی ملتے ہیں جن کے وارث یکے بعد دیگرے نشانہ بنتے گئے۔ جدید تاریخ میں کینیڈی، گاندھی اور بھٹو خاندان اس کی مثالیں ہیں۔ اندرا اور راجیو گاندھی کو تو اپنے دور اقتدار کی بعض غلطیوں کا نشانہ بننا پڑا البتہ کینیڈی اور بھٹو خاندان کو ان کی عوامی مقبولیت سے خوف زدہ ہو کر نشانہ بنایا گیا۔ امریکی ستارہ شناس جینی ڈکسن نے کینیڈی برادران کی المناک موت کی پیش گوئی کی تھی جو درست ثابت ہوئی۔ ایسے ہی ماہر ستارہ شناس یاسین وٹو نے گرمیوں کی ایک حبس آلود شام میں پیش گوئی کی تھی۔ ’’بے نظیر بھٹو وطن واپس آئیں تو انہیں گولی مار دی جائے گی، مگر چونکہ وہ بڑی لیڈر ہیں۔ اس لئے موت کے خوف سے باہر نہیں بیٹھ سکتیں۔ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ پاکستان کو اس سانحے سے بچائے۔‘‘ سفید فام امریکی اسٹیبلشمنٹ سے نبرد آزما سیاہ فام رہنما ڈاکٹر مارٹن لوتھر کنگ کو بھی 1968ء کے ایک دن ایسی اندھی گولی کا نشانہ بنا دیا گیا۔ عظیم باکسر محمد علی کے فکری مرشد شہباز مالکم ایکس، جنہیں قبول اسلام کی سعادت حاصل ہوئی وہ بھی ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے

قتل کر دیئے گئے۔

پھر چار اپریل کی سیاہ رات آئی۔ جب ذوالفقار علی بھٹو کو راولپنڈی میں پھانسی دے دی گئی۔ اس وقت کے سیکرٹری داخلہ روئیداد خان نے اپنی کتاب میں لکھا۔ ''میں وہ تمام رات کمرے میں اِدھر سے اُدھر ٹہلتا اور سقراط کے وہ آخری الفاظ یاد کرتا رہا کہ جنہیں افلاطون نے اپنی کتاب (Apology) میں یوں درج کیا ہے۔ افلاطون! اب جانے کا وقت آ چکا ہے، ہم دونوں کو جانا ہے۔ مجھے مرنے کے لئے، تمہیں جینے کے لئے، کون سا راستہ بہتر ہے۔ میرا یا تمہارا، خدا ہی جانے۔''

اسی بھٹو کا چھوٹا بیٹا شاہنواز فرانس کے ایک فلیٹ میں پراسرار طور پر قتل کر دیا گیا۔ پیپلز پارٹی کے جیالے برملا اس قتل کا ذمہ دار برفیلی آنکھوں اور منافقانہ مسکراہٹ والے ڈکٹیٹر جنرل ضیاء الحق کو ٹھہراتے رہے ہیں۔ شہر نگاراں کراچی 96ء کی اس سیاہ رات کا بھی شاہد ہے، جب بھٹو کے لاڈلے میر مرتضیٰ بھٹو کو کلفٹن میں اس کے گھر سے چند گز دور گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا۔ شیروں جیسی شخصیت کا مالک میر مرتضیٰ ویسی ہی جرأت اور دلیری سے مرا، جس کی بھٹو خاندان کے ایک فرزند سے توقع کی جا سکتی ہے۔ لاہور کے ایک نوجوان اخبار نویس نے میر مرتضیٰ قتل کی تحقیقات کرنے والے ایک پولیس افسر سے انٹرویو کیا تو یہ انکشاف ہوا کہ گولیاں سامنے کے بجائے اوپر درختوں کی جانب سے آئی تھیں۔ پولیس افسر نے بے چارگی سے کہا۔ ''اگر میں تحقیقاتی رپورٹ میں یہ لکھ دیتا تو آج آپ کے سامنے نہ بیٹھا ہوتا۔''

میرے ذہن میں چلتی فلم کا آخری سین جامد ہو جاتا ہے۔ سرخ و سفید پھولوں سے لدی، مسکراتی آنکھوں اور جگمگاتے چہرے والی بے نظیر بھٹو سٹیج سے اترتے ہوئے ہاتھ ہلا کر کارکنوں کے نعروں کا جواب دے رہی ہیں۔ معمول سے زیادہ ہشاش بشاش اور خوش بے نظیر بھٹو اپنی گاڑی میں بیٹھتی ہیں، کارکنوں کے ہجوم کو دیکھ کر ان سے رہا نہ گیا۔ وہ ہاتھ ہلانے کے لئے گاڑی کی چھت ہٹا کر کھڑی ہوئیں۔ یہی لمحہ ان کی زندگی کا آخری لمحہ ثابت ہوا۔ سر اور گردن میں لگنے والی گولیوں سے تیورا کر وہ گاڑی میں گر گئیں......کبھی نہ اٹھنے کے لئے......یوں بھٹو کی جانشین اپنے باپ کی طرح پورے بانکپن اور سج دھج سے رخصت ہوئیں۔ شیکسپیئر کے المیہ ڈرامے جولیس سیزر میں سیزر کا دوست مارک انطونی روما کے عوام کے سامنے اپنی شہرہ آفاق تقریر میں کہتا ہے۔ ''سیزر گر پڑا، آہ وہ کیا گرنا تھا، وہاں، میرے ہم وطنو! اس وقت میں اور آپ، ہم سب گر گئے۔''

اٹھائیس سال پہلے اسی راولپنڈی کی جیل سے ذوالفقار علی بھٹو نے بے نظیر کی سالگرہ پر اسے ''میری سب سے پیاری بیٹی'' کی نام سے ایک خط لکھا تھا۔ بھٹو لکھتے ہیں:

''پیاری بیٹی! جیل کی کوٹھڑی سے میں تمہیں کوئی تحفہ نہیں دے سکتا۔ میرا سب سے جذباتی عشق عوام کے ساتھ ہے۔ میں تمہیں عوام کا ہاتھ تحفے میں دیتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ میرے مقابلہ میں تم زیادہ بہتر طور پر لڑ سکو گی۔ تمہاری تقاریر زیادہ فصیح و بلیغ اور جدوجہد میں زیادہ توانائی اور جوش ہوگا۔ مجھے یاد ہے کہ 1957ء کی ایک سرما میں جب تم صرف چار سال کی تھیں، ہم المرتضیٰ کے بلند چبوترے پر بیٹھے تھے۔ میرے ہاتھ میں گن تھی، میں نے بغیر سوچے سمجھے ایک جنگلی طوطا مار گرایا۔ جب وہ گرا تو تم نے چیخ ماری۔ اسے اپنی موجودگی میں دفن کرایا اور کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ ایک مردہ طوطے نے 57ء کے موسم سرما میں لاڑکانہ میں ایک چھوٹی سی لڑکی کو رُلا دیا تھا۔ 21 سال بعد وہ چھوٹی بچی ایک ایسی نوجوان لڑکی بن گئی ہے، جس کے اعصاب فولادی ہیں اور جو ظلم کی طویل رات کی دہشت کا بہادری سے مقابلہ کر رہی ہے۔ حقیقتاً تم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ تمہاری رگوں میں بہادر سپاہیوں کا خون موجزن ہے۔''

بلاشبہ بھٹو کی لاڈلی بے نظیر نے اپنی جان دے کر اپنی جرأت اور دلیری کا لوہا منوا لیا۔ خیال تھا کہ اس واقعہ کے سیاسی اور قومی مضمرات پر کچھ لکھا جائے مگر منتشر ذہن کے ساتھ یہ ممکن نہ ہو سکا۔ حرف آخر یہ کہ نائن الیون

کے بعد امریکی دانش ور نے کہا تھا کہ اس واقعہ سے یہ دنیا پہلی جیسی نہیں رہے گی۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کی المناک موت کے بعد پاکستان کا سیاسی منظر نامہ بھی بدل جائے گا۔ بے نظیر بھٹو نے جان دے کر بھی ثابت کر دیا کہ انہیں چاروں صوبوں کی زنجیر کہنا بجا تھا۔ پورے ملک میں ایک جیسا سوگ منایا جا رہا ہے۔ افسوس! کہ وفاق کی علامت اور انتہاپسندوں کو روکنے والی یہ زنجیر بھی ٹوٹ گئی۔

بی بی شہید۔۔۔ ذاتی تاثرات

بشیر ریاض

محترمہ بے نظیر بھٹو شہید سے میری رفاقت تیس برسوں پر محیط ہے۔ ان سے رشتہ ایک کارکن، قابل اعتماد دوست اور گھر کے فرد کا تھا۔ بی بی ایک عظیم قائد اور وسیع القلب خاتون تھیں۔ بی بی کا یہ معمول تھا کہ 1986ء سے ہر سال میری سالگرہ مناتی تھیں اور جہاں بھی ہوں مبارک باد کے لئے باقاعدگی سے فون کرتی تھیں۔ گذشتہ سال 10 دسمبر 2007ء میں وہ دوبئی میں تھیں، انہوں نے اپنی ای میل میں یہ یادگار پیغام بھیجا:۔

”میں نے متعدد بار کوشش کی کہ ایک خاص شخصیت جو میرے لیے انتہائی اہم ہے کو سالگرہ کی نیک خواہشات پہنچا سکوں خدا کو آپ کو کامیاب و کامران رکھے۔ خدا آپ کو لاکھوں خوشیاں عطا کرے اور وہ تمام لوگ جو آپ کو جانتے ہیں، آپ ان کا خیال رکھتے اور مدد کرتے ہیں آپ ان کے ساتھ وفادار ہیں، اور آپ نے اعلیٰ ترین درجے کی شفقت اور محبت سے اپنے آپ کو وقف کر کے ان کی زندگیوں کی تکمیل کی ہے۔

میں صرف یہ سوچتی ہوں کہ اگر ہمارے دکھوں، ذمہ داریوں اور چیلنجوں کو جو پچھلے تیس سالوں میں ہر قدم پر ہمارے راستے میں آئے، کو بانٹنے میں آپ ہمارے ساتھ نہ ہوتے تو ہماری زندگی کس قدر مزید مشکل ہوتی۔

آپ ہماری زندگیوں میں شامل رہے ہیں، میرے والد محترم، والدہ محترمہ، بھائیوں اور میری زندگی میں آپ ایک ایسی مستقل لڑی ہیں جس نے ہماری زندگیوں کو پرویا ہوا ہے اور جو ثابت کرتی ہے کہ دوستوں کے بغیر زندگی حقیقت میں زندگی نہیں ہوتی۔

آپ کا شکریہ: اس طرح ہونے میں جیسے آپ ہیں۔ خدا آپ کو تمام انسانوں اور شیاطین کے شر سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔“

میرا یہ معمول تھا کہ 1980ء سے 21 جون کو بی بی کی سالگرہ پر انہیں شالیمار کا تحفہ دیا کرتا تھا۔ پچھلے سال جون میں دبئی گیا تو یہی تحفہ پیش کیا وہ اس سے بہت خوش ہوتی تھیں اور اکثر اپنی سہیلیوں سے میرے اس تحفہ کا ذکر کرتی تھیں۔ مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ میرا یہ الوداعی تحفہ ثابت ہوگا۔ اب یہ خوشیاں اور معمولات بھی شہید ہو گئے ہیں۔

قدرت کا بے حد خوش کن حسن اتفاق ہے کہ اقوام متحدہ نے بے نظیر بھٹو شہید کو انسانی حقوق کا سب سے اعلیٰ اعزاز 10 دسمبر کو دیا ہے اور یہی میری سالگرہ کا دن ہے۔

بی بی اگرچہ اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن مجھے یہ بے پایاں احساس ہے کہ اقوام متحدہ کا یہ ایوارڈ میرے لئے بی بی شہید کا خوبصورت ترین تحفہ ہے۔

گذشتہ سال پاکستان واپسی سے ایک دن قبل 17 اکتوبر کو بی بی نے مجھے لندن سے یہ ای میل بھیجی ”میں آپ کو مس کروں گی 1977ء میں جب آپ سے ملتی تھی اس وقت سے اب تک آپ نے پارٹی اور میرے لیے جو کچھ کیا ہے اس کی میں بے حد شکر گزار ہوں، اگر میں نے آپ کو ٹھیس پہنچائی ہو تو مجھے معاف کر

دیجئے گا لیکن میں آپ کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ میں نے ہمیشہ آپ کی حمایت کی قدر و منزلت کی ہے خدا آپ کو اپنی رحمتوں سے نوازے۔ بی بی”

بی بی کے اس پیغام نے مجھے وسوسوں، اندیشوں اور خدشات سے مغلوب کر دیا پھر 18 اکتوبر کو واپسی پر کراچی میں خوفناک سانحہ رونما ہوا اور 170 سے زائد کارکن جان بحق ہوئے۔ اس نے میری تشویش میں مزید اضافہ کر دیا کہ خدانخواستہ بھٹو دشمن قوتیں بھٹو خاندان کی اس آخری نشانی کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے درپے ہیں۔ مجھے اپنے یہ الفاظ شدت سے یاد آنے لگے جو میں نے پچھلے سال لندن میں ایک سے زائد مرتبہ بی بی سے کہے تھے کہ“آپ بھٹو خاندان کی آخری سیاسی فرد ہیں اور یہ شدید خطرہ ہے کہ ازلی دشمن آپ کو بھی اپنے شیطانی اور قاتلانہ عزائم کا نشانہ بنائیں گے۔”

پچھلے سال 27 دسمبر کی خونی شام کو ان بزدل قوتوں نے بی بی کو انتہائی بے دردی اور سفاکی کے ساتھ لیاقت باغ میں شہید کر دیا جو ان کی سیاسی اور عوامی طاقت سے خائف اور خوفزدہ تھیں۔ محترمہ بے نظیر بھٹو غریب عوام کے جمہوری اور انسانی حقوق کی علمبردار تھیں۔ عوام نے آمریت کے ظلم و استبداد کی طویل سیاہ رات کے خاتمہ کے جو خواب دیکھے تھے ان کی ان امنگوں کو بھی قتل کر دیا گیا۔

یہ ایک المناک حقیقت ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی کی سربراہ بے نظیر بھٹو آج ہم میں نہیں ہیں۔ گذشتہ سال انہوں نے طویل جلاوطنی ختم کر کے پاکستان واپسی کا فیصلہ کیا تا کہ انتخابات میں اپنی پارٹی کی قیادت کر کے اسے فتح سے ہمکنار کر سکیں۔ وہ اس خطرے سے آگاہ تھیں کہ پاکستان واپسی پر اپنی جان کی بازی ہار سکتی ہیں۔ کئی مرتبہ اس سنگین خطرہ کا احساس دلانے پر بی بی کا یہ جواب تھا کہ اگر انہوں نے واپس جا کر پارٹی کی قیادت نہ کی تو پارٹی ختم ہو سکتی ہے ملک کی سلامتی کو بے شمار خطرات درپیش ہیں خدانخواستہ ملک ٹوٹ سکتا ہے اس لئے اپنی زندگی کو خطرہ کی پروا کئے بغیر پاکستان واپس جانا ضروری ہے۔ بی بی شہید نے اس بات کی بھی پروا نہ کی کہ حاکمِ وقت نے ان ممالک کو ان کی سلامتی کی ضمانت دینے سے معذوری ظاہر کی تھی جو اپنے اور پاکستان کے مفادات کے لئے بی بی اور فوجی آمریت میں مصالحت کرانے کے لئے کوشاں تھے۔

بی بی شہید غریب عوام کے لئے امید کی روشنی تھیں وہ ان کے خوبصورت خوابوں کی تعبیر تھیں جو انہوں نے اپنے حقوق اور انسانی وقار کے لئے آنکھوں میں سجا رکھے تھے وہ اس یقین سے سرشار تھے کہ وہی ملک کے اصل وارث ہیں اور بی بی ان غربت زدہ عوام کے روشن مستقبل کی علامت ہیں۔

بی بی پاکستان کا خوشنما چہرہ تھیں۔ پاکستان ان کی زندگی تھا اور انہوں نے پاکستان ہی کی خاطر اپنی جان قربان کر دی بی بی کی سیاسی عظمت، شخصی وقار اور عالمی مقام و مرتبہ کی صدائے بازگشت تا قیامت گونجے گی اور ان کے افکار اور نظریات کی خوشبو آنے والے وقتوں میں بھی دنیا بھر کے جمہوریت پسند عوام کے دلوں کو مسخر اور معطر کرتی رہے گی۔

جو چلے تو جاں سے گزر گئے

عبدالقادر حسن

بھٹو خاندان کا آخری خون آلود چراغ بھی اس ملک کے در و بام پر روشن ہو گیا۔ ظلم کی انتہا ہو گئی۔ پہلی بار معلوم ہوا کہ سکتہ طاری ہونے کی کیفیت کیا ہوتی ہے۔ پوری رات گزر چکی ہے ذہن ماؤف ہی رہا اور اب جب چند سطریں لکھنے پر مجبور ہوں کہ اس طرح شاید دل کا غبار قدرے کم ہو جائے تو الفاظ غائب ہیں اور سمجھ میں نہیں آ رہا کہ زندگی بھر جس سے اختلاف کرتے رہے اس کے پاس ایسی کیا کرامت تھی کہ اس کی جدائی نڈھال اور بے حال کر گئی۔ یوں لگ رہا ہے اور ندامت اس حد تک دل و دماغ کے آر پار ہو رہی ہے جیسے آج وہ ہم سب پر طنز کر رہی ہوں اور سرخرو ہو کر کہہ رہی ہوں کہ

مرے چارہ گر کو نوید ہو، صفِ دشمناں کو خبر کرو
وہ جو قرض رکھتے تھے جان پر، وہ حساب آج چکا دیا
کرو کج جبیں یہ سرِ کفن میرے قاتلوں کو گماں نہ ہو
کہ غرورِ عشق کا بانکپن پسِ مرگ ہم نے بھلا دیا

بے نظیر کو پورا پاکستان آنسوؤں، سسکیوں اور غم و اندوہ کی انتہاؤں سے گزر کر وداع کر رہا ہے۔ یہ صرف ایک بیٹی، بہن کی موت نہیں اس پر پورا ملک داؤ پر لگ گیا ہے۔ اس سے تو بہت بہتر تھا وہ وطن واپس ہی نہ آتی مگر اسے واپسی کا بہت شوق تھا۔ اس کے لئے اس نے وہ کچھ کیا جو اُسے نہیں کرنا چاہے تھا یا وہ نہیں کرنا چاہتی تھی مگر وہ سب کچھ کر گزری کہ اپنے وطن عزیز کی بہاریں دیکھ سکے جواب اس کے بغیر خزاؤں میں بدلتی جا رہی ہیں۔ وہ وطن لوٹنے سے پہلے سے ہی بار بار کہہ رہی تھی کہ اس کی جان کو خطرہ ہے۔ اسے معلوم تھا کہ وہ کیا ہے اور کیا کچھ کر سکتی ہے اور اس کے دشمن کتنے طاقتور ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے اس کی کسی حس نے اسے آنے والے خطروں سے آگاہ کر دیا تھا مگر وہ اس کے باوجود اپنی ضد پر قائم رہی۔ اس کی یہ ضد ہمیں لے ڈوبی۔ آج اگر ایک دوسرے لیڈر میاں نواز شریف یہ نہ کہتے کہ وہ اس کا مشن لے کر چلیں گے اور وہ اس کی میت پر دھاڑیں مار مار کر نہ روتے تو ہماری مایوسی کے اندھیرے ہمیں نگل جاتے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ ملک کی زنجیر ٹوٹ گئی۔ اب پتہ چل رہا ہے کہ ملک بھر میں جو ماتم برپا ہے وہ اسی زنجیر کے ٹوٹ جانے کی صدا اور اس کا ماتم ہے۔

بے نظیر کا قتل جو قوم کے لئے شہادت ہے ہماری حکومت کی انتہائی غفلت، لاپروائی یا نالائقی کا المیہ ہے۔ جس طرح یہ سانحہ سامنے آیا اس کی تفصیلات بتاتی ہیں کہ ان کی حفاظت کی طرف سے مکمل غفلت کا ثبوت دیا گیا۔ ان کی گاڑی کو تیز رفتاری سے روانہ ہونا تھا لیکن پولیس وغیرہ کی بھاری نفری بھی اس کا راستہ صاف نہ کر سکی اور وہ بہادر خاتون نعروں کا جواب دینے پر مجبور ہو کر گاڑی کی چھت کھلوا کر سامنے آئی تو مشاق نشانہ باز نے اس کے سر کو نشانہ بنایا اور وہ گاڑی میں گرتے ہی ختم ہو گئیں۔ جی ایچ کیو کی نظروں کے سامنے پاکستان کی امید کا چراغ گل ہو گیا۔

بے نظیر کی شہادت لاتعداد سوال چھوڑ گئی ہے اور یہ سارے سوال اس ملک کے مستقبل کے بارے میں ہیں۔ ان کی شہادت سے پیپلز پارٹی کا گھر اجڑ گیا ہے۔ ان کی ایک بہن صنم بی بی زندہ ہے لیکن اس کا سیاست سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا۔ بے نظیر شہید کی ماں اگر ہوش میں ہیں

تو اس چوتھے قتل کو برداشت کرنا ان کے لئے ممکن نہیں ہوگا۔ ذوالفقار علی بھٹو کا پورا خاندان اس ملک کی نذر ہو گیا، باقی کچھ نہیں بچا۔

چلو آؤ تم کو دکھائیں، ہم جو بچا ہے مقتل شہر میں
یہ مزار اہل صفا کے ہیں، یہ ہیں اہل صدق کی تربتیں

پیپلز پارٹی کی باقی ماندہ قیادت اور ملک کے دوسرے سیاستدانوں کا اب واحد فرض یہ ہے کہ وہ سب مل کر ایک ''بے نظیر'' بن جائیں اور اس عظیم نقصان کے ازالے کی فکر کریں۔ شکر ہے کہ میاں نواز شریف نے اس کا احساس کیا ہے جو اتفاق سے بچ نکلے تھے کیونکہ اس سانحہ سے کچھ پہلے ان کے استقبالیہ کیمپ پر حملہ ہوا جس میں چار کارکن جاں بحق ہو گئے جو میاں صاحب کے لئے ایک وارننگ تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دست قاتل کتنا دراز ہے اور اس کی خون کی پیاس اسے کس قدر ہلکان کئے ہوئے ہے۔ بات صرت ایک شہادت پر ختم نہیں ہوتی، آگے چل کر کچھ بھی ہو سکتا ہے لیکن کسی کی جان کی حفاظت حضرت علیؓ کے الفاظ میں۔

''زندگی کی سب سے بڑی محافظ موت ہوتی ہے'' اور یہ موت اللہ کے اختیار میں ہے لیکن جان بچانا بھی فرض ہے۔

ڈال کر کوئی گردن میں طوق آ گیا
لاد کر کوئی کاندھے پر دار آ گیا

بلھے شاہ اساں مرنا ناہیں---

وقار خان

شہید جمہوریت کے جسد خاکی کو رزق خاک ہوئے 2008ء میں ایک سال کا عرصہ بیت گیا، لیکن محبتوں اور وفاؤں کے تیل سے جلنے والے چراغ بے نظیر بھٹو کی قبر پر ایسے ہی فروزاں ہیں، جیسے ذوالفقار علی بھٹو کے مزار پر۔

آج ایک بار پھر تمام راستے نوڈیرو کے قبرستان کو جا رہے ہیں اور ایک سال بعد بھی پورے ملک کی فضا رنج والم کی رم جھم سے اسی طرح سوگوار ہے کہ جیسے

؎ محبت کی عمارت گر گئی ہے
کوئی ملبے پہ بیٹھا رو رہا ہے
ہوا پتوں سے سر ٹکرا رہی ہے
ترے جانے کا ماتم ہو رہا ہے

نوڈیرو کے قبرستان میں ہر چند سال بعد ایک بھٹو کی قبر کا اضافہ ہوتا چلا آیا ہے۔ ہر دفعہ کسی بھٹو کے خونِ ناحق کی مہندی اپنے ہاتھوں پر سجانے والے ستم گر سمجھتے رہے کہ بھٹو کا طلسم ہوشربا ٹوٹ گیا، لیکن بھٹوز کے مزار سلطان باہو کے اس کلام کی تفسیر ہی بنتے رہے کہ

؎ نام فقیر تنہاں دا باہو، قبر جنہاں دی جیوے ہو

نوڈیرو کی یہ قبریں زندوں کو دور دور سے اپنی جانب کھینچنے کی عجیب قدرت رکھتی ہیں کہ ملک کے کونے کونے سے عشق بلاخیز کے سخت جاں قافلے ان کی طرف رواں دواں ہیں، جہاں سخت سردی کے موسم میں ہوٹل ہیں نہ سرائیں۔ مہمان خانے ہیں نہ اتنی مخلوق کے لئے دوسری سہولتیں۔ یہ لاکھوں لوگ شامیانوں یا کھلے آسمانوں تلے راتیں بسر کرتے ہیں۔ آخر وہ کون سا جنون ہے کہ جس کی طلب میں یہ قلندرانِ وفا کھلی سردی سے بے خوف ہو کر اور میلوں پیدل چل کر ان مزاروں کو آنسوؤں کے نذرانے اور محبتوں کے خراج پیش کرنے کے لئے پہنچ جاتے ہیں؟ وہ کون سا جادو ہے کہ بھٹو اور اس کی بیٹی کے تہہ خاک ہونے کے باوجود ملکی سیاست ان کی قبروں سے گرد گھومتی ہے؟ یہ وہ سوالات یا راز ہیں، جو خالی کھوپڑیوں اور بھری اوجڑیوں والے قاتل کبھی نہیں پا سکتے۔ حالانکہ ان کا جواب بڑا سادہ ہے کہ ”دل کی دنیا میں محبت حکومت کرتی ہے“ لیکن عوامی گردنوں پر حکومت کرنے والے ان کے دلوں پر راج کرنے کی حقیقت کبھی نہ سمجھ پائے۔ جو لیڈر سالوں سے پسے ہوئے انسانوں، کچلی ہوئی روحوں، بے حیثیت اور بھیڑ بکریاں سمجھی جانے والی خلق خدا کو محبت کی نظر سے دیکھے گا۔ ان کے درد کا درماں بننے کی سعی کرے گا۔ ان بے زبانوں کو زباں دے گا۔ ان کے حقوق کی بات کرے گا۔ حتیٰ کہ ان کے لئے جان کی بازی لگائے گا۔ وہ بلھے شاہ کے ان لفظوں کی مجسم تشریح رہے گا کہ

؎ بلھے شاہ اساں مرنا ناہیں، گور پیا کوئی ہور

بے نظیر بھٹو کی زندگی آلام ومصائب سے عبارت ہے۔ والد پھانسی چڑھا، دو بھائی قتل ہوئے، شوہر آٹھ سال تک پسِ زنداں رہا، اس کے پارٹی کارکنوں نے کوڑے، جیلوں، قید وبند اور خودسوزیوں جیسے مصائب جھیلے، خود اس نے

طویل عرصہ جیل اور جلاوطنی کے عذاب سہے، غرض اس کی 54 سالہ زندگی اس شعر میں سمٹ آئی کہ

؎ اونے پھٹ میرے جثّے نے
جنے تیرے وال نی مائے

صدق ووفا کے باب میں بھٹو خاندان کے لئے یہ تلخ حقیقتیں وہ بیش بہا پونجی ہیں، جن کا عشرِ عشیر بھی کسی دوسرے لیڈر یا جماعت کے حصے میں نہیں آیا۔ کوتاہ قد اور بالشتیے راہنما سیاسی میدان میں بھٹو اور اس کی بیٹی کے کوہِ ہمالیہ جیسے قد کو ایڑیاں اٹھا کر دیکھ تو سکتے ہیں، لیکن ان کی برابری کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ بغیر کسی نظریے کے سیاسی میدان میں بگٹٹ دوڑنے والے کیا جانیں کہ نظریہ کیا ہوتا ہے اور نظریے کی خاطر جان دینے کے کیا معنی ہیں؟ چالیس سال تک بھٹو کے سائے کو تلوار سے کاٹنے کی سعی لاحاصل کرنے والوں کا اگر بھٹو کی قبر نے آج تک پیچھا نہیں چھوڑا تو بے نظیر کا مزار بھی سدا ان پر ہنستا رہے گا کہ

؎ تُو لُوٹ کے بھی اہل تمنا کو خوش نہیں
میں لُٹ کے بھی وفا کے انہی قافلوں میں ہوں

بھٹو خاندان کا طرۂ امتیاز ہے کہ انہوں نے جہاں حکمرانیاں کی ہیں وہاں نوک سناں پہ اپنے سر بھی سجائے ہیں۔ اگر انہوں نے ایوان آباد کئے ہیں تو منظر دار کو بھی ویراں نہیں ہونے دیا۔ یہی وصف انہیں دوسروں سے ممتاز بھی کرتا ہے اور اسی میں ان کی مقبولیت کا راز بھی پنہاں ہے۔ آج رحمٰن ملک کا بیان شائع ہوا ہے کہ انہوں نے بے نظیر کو ان کی جان کو لاحق خطرات کے پیش نظر وطن آنے سے منع کیا تھا۔ خود بی بی کو بھی ان خطرات سے مکمل آگاہی تھی، لیکن بھٹوز عجیب سر پھرے ہیں کہ جب بھی ان سے دھرتی نے جان کی قربانی مانگی وہ یہ کہتے ہوئے سوئے دار چل دیے۔

یہ کس نے ہم سے لہو کا خراج پھر مانگا
ابھی تو سوئے تھے مقتل کو سرخرو کر کے

آخر میں شہیدِ جمہوریت کی شہادت پر لکھا جانے والا سدا بہار نوحہ جو اہل دل کے جذبات کا ترجمان ہے۔

؎ جو کام ادھورے تھے، کرنے کو چلی آئی
تُو باپ کے وعدے پہ مرنے کو چلی آئی
درکار تھا گلشن کو کیا صرف لہو تیرا؟
تُو رنگِ وفا اس میں بھرنے کو چلی آئی
تجھ کو تو غریبوں کا دکھ درد مٹانا تھا
قسمت میں مگر ان کی یہ سوگ منانا تھا
دکھ پہلے ہی کیا کم تھے بی بی تیری جھولی میں؟
کیوں آج ہوئی رخصت تابوت کی ڈولی میں؟

☆☆☆☆☆

شاہی قلعہ لاہور

شیخ نوید اسلم

لاہور میں موجود شاہی قلعہ سے پہلے یہاں ایک کچا قلعہ تھا۔ شہنشاہ اکبر نے اسے گرا کر اس جگہ نئے سرے سے ایک عالیشان پختہ قلعہ بنوایا۔ اکبر کے بعد جہانگیر نے اس میں کئی ایک عمارتیں تعمیر کروائیں۔ کہتے ہیں کہ انصاف کی زنجیر اس قلعہ میں تھی جسے بجا کر فریادی بادشاہ سے انصاف طلب کرتے تھے۔ جہانگیر اور نور جہاں نے اپنی زندگی کے آخری ایام اسی قلعے میں گزارے پھر ان کے بعد شاہ جہاں نے اسے کافی ترقی دی۔

پہلے دریائے راوی قلعے کی دیوار کے ساتھ بہتا تھا اور بادشاہ درشن جھروکے میں بیٹھ کر صبح کے وقت دریا کا نظارہ کرتا تھا مگر جب مغل دور حکومت ختم ہو گیا اور دریائے راوی کا نظارہ کرنے والے بھی مر کھپ گئے تو شاید اس غم میں راوی نے بھی اپنا رخ بدل لیا۔ اب وہ قلعہ سے دو میل دور بہتا ہے۔ قلعے کا بیرونی حصہ پچی کاری کے نہایت ہی خوبصورت نمونوں سے مزین ہے۔ اس پر جا بجا انسانوں، گھوڑوں اور ہاتھیوں کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔

قلعے کے اردگرد ایک اونچی سی فصیل ہے جس کے تین بڑے دروازے ہیں ایک مشرق کی سمت، دوسرا جنوب کی سمت اور تیسرا شمال مغرب کی جانب، شمال مغربی دروازی میں سے بادشاہ اور بیگمات ہاتھی پر سوار ہو کر گزرتے تھے۔ اس دروازے پر شاہ جہاں کا نام کندہ ہے۔ یہ دروازہ انگریزوں کے حکم سے بند کر دیا گیا تھا۔ مگر 20 نومبر 1949ء کو سابق گورنر نے پورے تین سو سال بعد اسے دوبارہ کھلوا دیا۔

قلعے کے اندر ایک دیوان ہے جس کی چھت ستونوں کے سہارے کھڑی ہے۔ اسے ”دیوان عام“ کہتے ہیں۔ اس میں ایک جھروکا بنا ہوا ہے جہاں بیٹھ کر شاہ جہاں اپنی رعایا کو اپنا دیدار کراتا تھا۔

دیوان خاص، بادشاہ کا شاہی دربار تھا جہاں وہ اپنے وزیروں، مشیروں، شہزادوں اور دوسرے راجاؤں، مہاراجوں سے ملاقات کیا کرتا تھا اور سلطنت کے بارے میں صلاح مشورہ لیتا تھا۔ جب بادشاہ کی سواری دیوان خاص میں پہنچتی تھی تو چوب دار نقارے پر چوٹ لگا کر یہ اطلاع دیتا تھا کہ شاہی سواری آ رہی ہے تمام محافظ دستے ہوشیار ہو جاتے۔ پھر بادشاہ ”با ادب با ملاحظہ ہوشیار“ کے نعروں کے درمیان دیوان خاص میں داخل ہوتا۔ اس وقت تمام لوگ ادب سے کھڑے ہو کر کورنش بجا لاتے، پھر بادشاہ تخت شاہی پر بیٹھ جاتا اور ہاتھ کے اشارے سے درباریوں کو اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھنے کی اجازت دے دیتا۔

قلعے کے اندر ایک شیش محل ہے جو فن تعمیر اور فن نقاشی کا بہترین نمونہ ہے اس کی دیواریں اور چھتیں رنگ برنگ کے شیشوں اور پچی کاری کے کام سے مزین ہیں۔ ان کی چمک دمک آنکھوں کو چندھیا دیتی ہے۔ اب بھی شیش محل کے کسی کمرے میں دیا سلائی روشن کی جائے تو تمام کمرہ جھلمل جھلمل کرنے لگتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اسے شاہ جہاں نے تعمیر کروایا تھا۔

شیش محل کے قریب ہی ”موتی مسجد“ ہے یہ بھی فن تعمیر کا ایک دلکش نمونہ ہے اسے

جہانگیر نے شاہی بیگمات کے لئے تعمیر کروایا تھا تا کہ وہ اس مسجد میں باپردہ نماز ادا کرسکیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنی حکومت کے زمانے میں اس قلعہ پر قبضہ کیا تو اس نے موتی مسجد کا نام بدل کر ''موتی مندر'' رکھ دیا تھا۔ اگرچہ سکھوں نے اس مسجد سے قیمتی ہیرے جواہرات نکال کر اس کی خوبصورتی کو سخت نقصان پہنچایا لیکن اس کے باوجود اس کی عظمت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے۔

قلعے کے اندر ایک چھوٹا سا میوزیم بھی ہے جس میں بہت ہی نادر اشیاء محفوظ ہیں۔ بہت سی الماریوں میں پرانے زمانے کے اوزار، اسلحہ، تصویریں اور لباس وغیرہ بڑے قرینے سے سجائے گئے ہیں۔ اتنی مدت گذر جانے کے باوجود بھی ان چیزوں کی سج دھج میں کوئی فرق نہیں آیا۔

شاہی قلعہ، مغل بادشاہوں کی وہ قیمتی یادگار ہے جو ہمیشہ آنے والی نسلوں کو ان کے شاہانہ دبدبے اور شان وشوکت کی یاد دلاتی رہے گی۔ ملکی وغیر ملکی سیاحوں کی کثیر تعداد اس قلعہ کو دور دور سے دیکھنے کے لئے آتی ہے خصوصاً سکول وکالجوں اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے اس میں دلچسپی کے کئی سامان موجود ہیں۔

☆☆☆☆

ایک سلطان اور ایک ولی اللہ کی ملاقات

صوبیدار میجر (ر) حاجی محمد رزاق

حضرت ابوالحسن خرقانی رحمتہ علیہ جن کا نام نامی علی اور کنیت ابوالحسن ہے، خرقان میں پیدا ہوئے، آپ طریقت وحقیقت کا سرچشمہ، فیوض ومعرفت کا منبع ومخزن اور بزرگی وعظمت کا پیکر تھے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ تیسری صدی ہجری کے مشہور صوفی بزرگ بسطام میں پیدا ہوئے سن ولادت ۱۲۸ھ اور سن وفات ۲۶۱ھ ہے، ان کے دادا سروشان نے مجوسی مذہب ترک کر کے اسلام قبول کیا تھا، بایزیدؒ نے تصوف کی تعلیمات ابوعلی السندی سے حاصل کیں، وہ عربی نہ جانتے تھے اور بایزیدؒ نے انہیں قرآن کی چند آیات سکھائیں جن کے بدلے میں انہوں نے بایزید کو تصوف کے رموز سے آگاہ کیا اور معرفت کی تربیت کی اور اس کے بعد ان کے قلب کو ایسی روشنی اور ایمان کو ایسی جدّت نصیب ہوئی کہ وہ تصوف کے انتہائی درجہ کو پہنچے۔ احادیث نبویؐ کے بارے میں ان کی روایات بہت اعلیٰ ہیں، ان کے ارادتمندوں نے ان کے پانچ صد کے قریب اقوال نقل کئے ہیں۔

بایزیدؒ نے ایک بار اپنے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ”میں بارہ سال جنگل میں اپنے نفس کے حق میں لوہار بنا رہا اور نفس کو ریاضت کی بھٹی میں ڈال کر مجاہدہ کی آگ سے نرم کر کے ملامت کے ہتھوڑے سے کوٹتا رہا اور پانچ سال اپنے نفس کو آئینہ بنانے میں صرف کئے اور طرح طرح کی عبادات اور ریاضات میں اس آئینہ کو چمکاتا رہا پھر ایک سال اسے اغیار کی نظر سے دیکھا، پھر بھی اسے غرورِ اطاعت کے بھروسے اور عمل کی خودپسندی میں مبتلا پایا تو پانچ سال اور کوشش کی پھر جب دیکھا تو مردہ تھا۔

بایزید بسطامیؒ ایک باطنی صوفی تھے انہیں معاشرتی سرگرمیوں سے سروکار نہ تھا، وہ نوع انسانی کو جہنم کی آگ سے بچانے کیلئے ان کی جگہ خود تکلیف اٹھانے کو آمادہ رہتے، شیخ احمد حضرت خضرویہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں یہ فرماتے سنا کہ ”سب لوگ مجھ سے کچھ طلب کرتے ہیں لیکن بایزید مجھ سے مجھ ہی کو طلب کرتا ہے“۔ بایزیدؒ کی قبر بسطام شہر کے وسط میں ہے، بعد ازیں ۷۱۳ھ میں ایلخانی سلطان الجائتو محمد نے ان کے مزار پر ایک قطبہ تعمیر کرایا تھا۔

سلطانی اور درویشی اگرچہ ظاہراً متضاد خصوصیات کی حامل نظر آتی ہیں لیکن اگر بنظر غائران دونوں کے مراتب کا جائزہ لیا جائے تو دونوں سلطان اور حاکم ہی نظر آتے ہیں، سلاطین کی حکمرانی ظاہری سلطنت اور رعایا پر ہوتی ہے اور درویش لوگ لوگوں کے دلوں پر یعنی باطن پر حکومت کرتے ہیں، دنیا کے بادشاہ لوگوں کے جسموں اور ان کے اموال پر حکومت کے سزاوار ہوتے ہیں جبکہ اللہ والوں کو مال ودولت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، وہ لوگوں کے دل ودماغ پر حکمرانی کرتے ہیں، اسی لئے داناؤں نے کہا تھا کہ۔

”دو درویش ایک گڈری میں سو سکتے ہیں لیکن دو بادشاہ ایک ملک پر حکومت نہیں کر سکتے“۔ حضرت عبیداللہ انور فرماتے ہیں۔ ”اللہ والے وہ ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر اللہ یاد

آ جائے، اللہ والے انسان کو یادالٰہی کے طریقے سکھاتے ہیں اور کثرت ذکر کی وجہ سے انسان شیطان کے پنجے سے محفوظ رہتا ہے اور پھر ہر جگہ ذکرِ الٰہی کے پہرے بیٹھ جاتے ہیں۔''

بایزید بسطامیؒ کا معمول تھا کہ سال میں ایک مرتبہ مزاراتِ شہداء کی زیارت کیلئے جایا کرتے تھے جب خرقان پہنچتے تو فضا میں چہرہ اٹھا کر اس طرح دیکھتے جیسے کوئی خوشبو سونگھتا ہے کسی نے پوچھا کس چیز کی خوشبو سونگھتے ہو آپ نے فرمایا کہ خرقان کی سرزمین میں مردحق کی خوشبو آتی ہے جس کا نام علی اور کنیت ابوالحسن ہے، وہ کاشتکاری کے ذریعے رزقِ حلال سے اپنے اہل وعیال کی پرورش کرے گا اس کا مرتبہ مجھ سے تین گنا زیادہ ہوگا۔

حضرت بایزیدؒ سے آپ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ بیس سال تک عشاء کی نماز خرقان میں اور رات بایزیدؒ کے مزار پر دعا کرتے اور صبح کی نماز کیلئے پھر خرقان پہنچ جاتے، دعا کرتے کہ یااللہ جو مرتبہ بایزیدؒ کو دیا ہے وہ مجھے بھی دے، بارہ سال بعد دعا کو قبولیت کا درجہ حاصل ہوا اور ندا آئی ابوالحسن مجھے جو کچھ ملا ہے وہ تیری وجہ سے ملا ہے، آپ نے فرمایا، دنیا سے آپ مجھ سے انتالیس سال پہلے جا چکے ہیں پھر مجھ سے کیسے فیض ملا؟ آپ نے فرمایا، یہ سچ ہے لیکن اللہ نے تیرے واسطے سے دعا قبول فرمائی، آپ کا دور آ گیا ہے اور آپ مجھ سے تین گنا زیادہ مرتبے والے ہوں گے، فرمایا میں اُمّی ہوں، شریعت نہیں جانتا، فرمایا یہ سب کچھ اللہ کے فضل سے ہوگا، روانہ ہونے لگے تو آپ نے فرمایا، الحمد شریف پڑھو، اس کے بعد آپ نے چند یوم میں پورا قرآن کریم پڑھ لیا اور جلد ہی تمام علوم میں کامیابی حاصل کر لی۔

سلطان محمود غزنوی سبکتگین کا بیٹا تھا وہ افغانستان کے شہر غزنی میں پیدا ہوا، والد کی وفات کے بعد ۹۹۷ء میں تخت پر بیٹھا، اسی دوران راجا جے پال نے پشاور پر حملہ کر دیا، پشاور کے قریب ہی راجا کو شکست فاش ہوئی اور وہ دُم دبا کر بھاگ گیا، محمود غزنوی کے برصغیر پر سترہ حملے بڑی اہمیت کے حامل ہیں، پہلا حملہ ملتان کے اسماعیلیوں پر کیا اور ساتھ ہی راجاؤں کی قوت کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا، گجرات کا شہر بحیرۂ عرب کے ساحل پر ایک عظیم الشان مقام تھا جس میں سومنات کا مندر تھا، یہ مندر ایک قلعہ کے اندر تھا جہاں بے پناہ دولت جمع کی گئی تھی، مندر کی بڑی بڑی گھنٹیوں کو دو سو من طلائی زنجیروں سے باندھا گیا تھا، رقص، جو اُن کی عبادت کا حصہ تھا، اس کیلئے حسیناؤں کا تقرر کیا جاتا تھا، سومنات کے بت کو غسل دینے کیلئے پانی دریائے گنگا سے لایا جاتا۔ خوشبو کیلئے پھول کشمیر سے لائے جاتے، مشہور ہے کہ منات بکا بت، خانہ کعبہ سے سمگل کیا گیا تھا، محمود غزنوی ۱۸ اِکتوبر ۱۰۲۵ء کو غزنی سے ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوا، ۶ جنوری ۱۰۲۶ء کو سلطان قلعۂ سومنات کے سامنے پہنچا، لیکن سومنات کا حاکم لڑائی کی تاب نہ لا کر فرار ہو گیا، برہمنوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر شکست کھائی ایک دن کے فیصلہ کن معرکہ کے بعد سلطان مندر کے اندر داخل ہو گیا اور بڑے بُت کے ٹکڑے کر دیئے اور مندر سے بیشمار سونا، چاندی اور جواہرات برآمد کر لئے۔ سلطان نے یہ ساری دولت مکہ، بغداد اور غزنہ کی مساجد کی سیڑھیوں کیلئے بھجوادی، بُت کو توڑنے سے پہلے ہندوؤں نے مندر کے اندر موجود دولت سے کہیں زیادہ دولت دینے کی پیش کش کی اور بُت کی سلامتی چاہی مگر سلطان نے یہ پیش کش ٹھکرا دی اور کہا ''میں بت شکن ہوں بت فروش نہیں''

؎ قوم اپنی جو زر و مال جہاں پہ مرتی
بُت فروشی کے عوض بُت شکنی کیوں کرتی

(اقبال)

سلطان محمود غزنوی جب بغداد کا حاکم تھا اس کی سلطنت میں ایک ولی اللہ رہتے تھے ان کا صوفیانہ طرزِ عمل بہت مشہور تھا، عوام الناس میں خاصے مقبول تھے، سلطان اسلام پسند تو تھا ہی، مگر بن دیکھے امراء ووزراء کی بات پر یقین نہ کرسکتا تھا، اس وجہ سے خود ملاقات کا پروگرام بنایا، تا آنکہ صحیح جائزہ لیا جا سکے، اپنی پوری شان وشوکت اور فوجی لشکر کے ہمراہ خانقاہ کے نزدیک خیمہ زن ہوئے، حضرت کی باطنی قویٰ کا جائزہ

لینے کیلئے ایک چال چلی، اپنے وزیر ایاز کو شاہی خلعت پہنایا اور اس کا لباس خود زیب تن کیا اور دس کنیزوں کو مردانہ لباس پہنا کر اشرفیوں کا ایک توڑا ساتھ لے لیا، قاصد کے ذریعے حضرت ابوالحسن خرقانی کے پاس پیغام بھجوایا کہ محمود آپ سے ملاقات کی غرض سے آیا ہے، لہٰذا آپ شاہی خیمہ میں تشریف لائیں، یہ بھی کہلا بھیجا کہ اگر تعرض کریں تو یہ آیت کریمہ تلاوت کرنا اَطِیعُوا اللہَ وَاَطِیعُوا الرَّسُولَ وَاُولِی الاَمْرِ مِنکُم، جب قاصد نے آپ کو پیغام دیا تو آپ نے معذرت کی، قاصد نے حسبِ ہدایت آیت تلاوت کی، آپ نے جواب میں فرمایا، میں ابھی ''اَطِیعُوا اللہ'' میں ایسا مستغرق ہوں کہ ''اَطِیعُوا الرَّسُول'' کیلئے اس استغراق سے نہیں نکل سکتا محمود سے کہہ دو، اس تیسرے نمبر کے حکم کیلئے ابھی فارغ نہیں ہوں، جب قاصد نے واپس آ کر سارا ماجرا سنایا اور کیفیتِ حال کا بیان کیا تو محمود کو معلوم ہو گیا کہ یہ معمولی صوفی نہیں بڑے پائے کے بزرگ ہیں چونکہ سلطان تیار تھا، پروگرام کے مطابق ایاز شاہی لباس میں، محمود غلامانہ لباس میں اور دس کنیزیں مردانہ لباس میں حضرت کی درگاہ میں پہنچ گئے، دربار میں حاضر ہوئے، ایاز سے سلام عرض کیا مگر نہ کسی طرف دیکھا گیا اور نہ کوئی جواب دیا گیا، محمود نے سلام کہا تو جواب دیا گیا اور فرمایا ان غیر محرموں کو باہر نکال دو پھر مجھ سے بات کرو سلطان کے اشارے سے کنیزیں باہر چلی گئیں، سلطان نے فرمائش کی کہ حضور! بایزید بسطامیؒ کا کوئی واقعہ بیان فرمائیں، آپ نے فرمایا بایزید کا قول ہے جس نے میری زیارت کی اس کی بدبختی دُور ہو گئی، محمود نے کہا، اس کا مطلب ہے، ایک لحاظ سے یہ دعویٰ اس امر کی تردید کرتا ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے ابوجہل اور ابولہب کی بدبختی دور نہ ہوئی، آپ نے فرمایا محمود ادب کو ملحوظ رکھ! اپنی ولایت سے تصرف نہ کر، ایمان کے ساتھ مشاہدہ کی بات اور ہے اور جن کے دلوں پر خدا نے مہریں لگا دیں ہیں، ان کا تو ذکر ہی نہیں، دوسرے یہ کہ معرفت کی بات یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو کسی نے نہیں دیکھا، خلفائے اربعہؓ نے نہیں دیکھا، اصحابؓ نے نہیں دیکھا، اس کی دلیل یہ آیۂ مبارکہ ہے ترجمہ ''(اے نبیؐ) جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتے ہیں اصل میں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہیں سکتے''۔ یہ سن کر محمود کی دنیا ہی بدل گئی، سلطان نے نصیحت کی درخواست کی تو فرمایا نواہی سے اجتناب کرتے رہو، نماز باجماعت ادا کرو سخاوت اور شفقت کو اپنا شعار بنالو، پھر محمود نے دُعا کی درخواست کی تو فرمایا ''محمود تیری عاقبت محمود رہے'' محمود نے اشرفیوں کا توڑا آپ کو پیش کیا، آپ نے جَو کی سُوکھی روٹی کی ٹکیہ اسے دی اور حکم دیا کہ ''اسے کھاؤ'' محمود نے اسے چبانا چاہا مگر طرح طرح کی کوشش سے حلق سے نہ اُترتی تھی، آپ نے فرمایا ''شاید حلق سے نہیں اُترتی''؟ عرض کیا ''جی ہاں'' فرمایا ''پھر بتاؤ یہ اشرفیاں میرے حلق سے کیسے اتریں گی؟ یہ واپس لے جاؤ کیونکہ میں تو دنیا کو طلاق دے چکا ہوں'' آپ نے اس سے کچھ نہ لیا پھر محمود نے تبرک کی فرمائش کی تو آپ نے اسے اپنا پیرہن پیش کیا۔

چھپتا نہیں نظروں میں یاں خلعتِ سلطانی
کملی میں مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا (حالی)

محمود نے عرض کیا، ''جناب کی خانقاہ بہت خوبصورت ہے''۔ فرمایا ''خدا نے آپ کو اتنی وسیع سلطنت بخشی ہے پھر بھی دل میں طمع موجود ہے، اس جھونپڑی کے بھی خواہشمند ہو'' یہ سن کر سلطان کو بے حد ندامت ہوئی، جب سلطان رخصت ہونے لگا تو آپ اکراماً کھڑے ہو گئے، سلطان سے رہا نہ گیا پوچھا، ''جب مَیں آیا تو آپ کھڑے نہ ہوئے تو اب ایسا کیوں ہوا'' فرمایا ''جب تم آئے تھے تو شاہی تکبر ہمراہ تھا لیکن اب عجز و انکساری اور درویشی کی حالت میں جا رہے ہو اور فقر کا خورشید تمہاری پیشانی پر رخشندہ ہے'' اسی حال میں محمود رخصت ہوا۔

کہتے ہیں سومنات پر حملے کے

وقت جب محمود کو دشمن کی بے پناہ قوت کی وجہ سے شکست کا خطرہ لاحق ہوا تو اس نے وضو کیا نماز ادا کی اور ابوالحسن خرقانیؒ کا عطا کردہ پیرہن ہاتھ میں لے کر دعا کی، اے خدا! اس پیرہن والے کے صدقے مجھے فتح نصیب فرما اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا، جب فوج غنیم کے سامنے صف آرا ہوئی تو وہ آپس میں لڑنے لگے جس کی وجہ سے محمود کی فوج کو برتری نصیب ہوئی، محمود کی فوج کی حکمت عملی سے دشمن کا بے پناہ نقصان ہوا جبکہ محمود کی فوج کا نقصان برائے نام ہوا۔

☆☆☆☆

حروف کی ساخت اور املا کے قاعدے

رشید احمد رشید

''لکھنا'' سکھانے کی بنیادوں پر یُوں روشنی ڈالتے ہیں۔

''ذہن انسانی کے سارے علمی اور ادبی کارنامے جو آج تک ہماری رہنمائی کر رہے ہیں تحریری صورت میں ہیں، اگر ہمارے اسلاف لکھنے کے فن سے واقف نہ ہوتے تو ہم ان کی ایجادات و تخلیقات اور خیالات و افکار سے فائدہ نہ اٹھا سکتے، یہ تحریر ہی کی برکت ہے کہ آج مختلف علوم و فنون کی بیشمار کتابیں کتب خانوں میں موجود ہیں اور زندگی کے ہر شعبے میں ہماری مدد کر رہی ہیں، تعلیم کا اہم مقصد چونکہ بچوں کو اچھا شہری بنانا ہے اور اچھا شہری بنانے کا یہ مقصد ہے کہ آج کے پاکستانی بچے کل کے بلند پایہ مفکر، سیاستدان، شاعر، مصنف، سائنس دان، ماہر تعلیم، ڈاکٹر، قانون دان اور انجینئر بن سکیں، اس لئے نہایت ضروری ہے کہ انہیں لکھنا سکھایا جائے تاکہ وہ بڑے ہو کر اپنے اسلاف کی طرح اپنے علمی و ادبی کارنامے کتابی صورت میں محفوظ کر جائیں اور آنے والی نسلیں ان سے استفادہ کر سکیں، اس اہم مقصد سے قطع نظر ہماری روزمرہ کی زندگی بھی تحریری کاموں سے گہرا تعلق رکھتی ہے، نجی معاملات، سیاسی امور، درس و تدریس، تجارت اور ملازمت ہر شعبہ میں لکھنے سے واسطہ پڑتا ہے، سچ بات تو یہ ہے کہ جو شخص لکھنا نہیں جانتا وہ آج کی دنیا میں نہ تو خود ترقی کر سکتا ہے اور نہ اپنی ذات سے ملک و قوم کو فائدہ پہنچا سکتا ہے''۔

درست ہے کہ آج کے انفارمیشن ٹیکنالوجی کے دور میں بہت سے فنون (مینول آرٹس) کی قدر تیزی سے کم ہوئی ہے مثلاً کتابت ہی کو لیجئے، اب کمپیوٹر کی مدد سے انگریزی، اردو جو بھی لکھنا چاہیں، جس رسم الخط میں جس فونٹ میں لکھنا چاہیں پہلے سے کہیں بہتر انداز میں اور نسبتاً کم وقت میں باآسانی لکھ سکتے ہیں، کاتبوں اور خوش نویسوں کی تو بس یوں سمجھیئے کہ چُھٹی ہو گئی اور خدشہ ہے کہ بہت جلد یہ فن ختم ہو جائے گا۔ خطوط نویسی ماضی میں ایک ضرورت بھی تھی اور رابطے کا سستا، آسان ترین اور اطمینان بخش ذریعہ بھی، خط لکھنا یعنی مکتوب نگاری ایک فن سمجھا جاتا تھا۔ اردو کے عظیم المرتبت اساتذہ مثلاً مرزا اسداللہ خان غالبؔ، ڈپٹی نذیر احمد اور علامہ محمد اقبالؒ کے مکاتیب کے مجموعے اور ان کی اشاعت ادبی حیثیت میں ایک سرمایے کی طرح محفوظ ہیں، ان مکاتیب کے ادبی مرتبے کے علاوہ ان کی تاریخی حیثیت بھی مسلّم ہے، مثلاً خطوط اقبالؒ (۱۹۲۷ء تا ۱۹۳۶ء کے دوران قائداعظم کے نام لکھے گئے خطوط) جو قائداعظمؒ کے لکھے ہوئے مقدمے کے ساتھ شیخ عطاء اللہ نے ۱۹۴۳ء میں شائع کئے تحریک پاکستان کے دوران بانی پاکستان اور شاعر مشرق کے مابین روابط کا تاریخی ریکارڈ ہے اور ایک قومی اور دستاویزی سرمایہ ہے۔ اس طرح کے بہت سے مجموعے جو مختلف ادوار میں شائع ہوئے اپنے وقت کے ثقافتی، تاریخی، معاشرتی اور سیاسی حالات کے آئینہ دار ہیں، اب تو موبائل فون اور انٹرنیٹ کا دور ہے، خط لکھنے کی کس کو فرصت ہے، بایں ہمہ یہ ایک حقیقت ہے کہ الفاظ کی اپنی ایک شان ہے لکھے ہوئے الفاظ چاہے آپ انٹرنیٹ سے حاصل کریں، چاہے دستی لکھ کر خط ڈاک میں ڈالیں۔

تحریری الفاظ کا استعمال انسانی زندگی میں ایک ناگزیر کردار کا حامل ہے، جس سے انکار ممکن نہیں، علامہ اقبالؒ کا ایک شعر یاد آرہا ہے جو اُن کی نظم ''والدہ مرحومہ کی یاد میں'' میں ہے اور خط کی اہمیت کا عکسی تصور دیتا ہے۔

ے کس کو اب ہوگا وطن میں آہ میرا انتظار
کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بیقرار؟

ایک المیہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں ریڈیو، ٹی وی اور دیگر ذرائع ابلاغ کی زبان قومی زبان اردو ہے، جبکہ دیگر علاقائی زبانیں پنجابی، سندھی، بلوچی اور پشتو وغیرہ ہمارے بچوں کی مادری زبانیں ہیں گویا ننھے بچوں کیلئے اردو دوسری مادری زبان کی حیثیت رکھتی ہے، سندھ اور شمال مغربی سرحدی صوبہ میں ابتدائی جماعتوں میں بالترتیب سندھی اور پشتو ذریعۂ تعلیم ہے۔ پنجاب کے طلبہ کیلئے البتہ مسئلہ ہے کہ انہیں اپنی مادری زبان پنجابی میں تعلیم کی سہولت دستیاب نہیں، ان کا ذریعہ تعلیم اردو ہے اِدھر جب سے انگریزی زبان کو ابتدائی جماعت سے لازمی قرار دیا گیا ہے تو طلبہ پر ایک ناروا بوجھ آن پڑا ہے انگریزی ان کی بہت سی صلاحیتوں کو صرف کرنے کے بعد ان میں اردو کی تفہیم کیلئے بہت کم استعداد رہنے دیتی ہے نتیجتاً ''کوا چلا ہنس کی چال'' والی بات صادق آتی ہے، لکھنا، سمجھنا اور بولنا تو بعد کی مہارتیں ہیں، ہمارے بیشتر طلبہ وسطانی درجوں میں پہنچ کر بھی اردو کی سادہ عبارت کو پڑھنے سے قاصر ہیں، اردو خوانی کا یہ عالم ہے کہ بہت سے طلبہ مڈل کے امتحان میں سائنس، معاشرتی علوم، اسلامیات، اردو اور عربی کے پرچے میں کمرۂ امتحان میں پوچھتے ہیں ''سر! اس سوال کا کیا کرنا ہے؟''۔

اردو کے الفاظ کو تحریر میں لانا، حروف کو جوڑ کر الفاظ بنانا اور الفاظ کو مناسب ترتیب سے رکھ کر جملے بنانا ایک طرح کا فن ہے، یہ ایک ایسی مہارت ہے جس کی تربیت ابتدائی جماعتوں میں ہو جاتی ہے لیکن اکثر دیکھا گیا ہے کہ بڑی جماعتوں کے طلبہ ایسے بے ہنگم جملے لکھتے ہیں کہ مفہوم بے معنی اور مہمل ہو کر رہ جاتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ الفاظ کی ساخت پر بھرپور توجہ دی جائے اس ضمن میں املا کا بھی بڑا دخل ہے، نہایت افسوس کے ساتھ ایسی مثالیں دینے پر مجبور ہوں جو ڈگری کے طلبہ کے امتحانی پرچوں اور دیگر تحریروں میں دیکھی گئی ہیں، ایک طالب علم نے ''آصف'' کو ''عاصف'' لکھ دیا، ایک آزمائشی پرچہ میں لفظ اسماعیل (علیہ السلام) کو لگ بھگ بیس (۲۰) جگہ ''اسمائیل'' بطرز ''جبرائیل'' لکھا گیا، اسی طرح ایک طالب علم ''احتشام'' کو ''اہتشام'' لکھتے رہے، بعد میں یہ بھی معلوم ہوا کہ موصوف ماشاء اللہ ''معلم'' ی ہیں، بڑا مسئلہ یہ بھی ہے کہ آج کے طلبہ اپنی کمزوریوں کو قبول کرنے کے معاملہ میں سنجیدہ بھی نہیں اور اصلاح کی طرف پیشرفت تو نہ ہونے کے برابر ہے۔

درست لکھنا ہر تحریر کیلئے از بس ضروری ہے البتہ خوش خطی ثانوی مقام رکھتی ہے اگرچہ مفید تر ہے، میں اپنے وطن کے عزیز طلبہ کی توجہ چند امور کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

۱۔ اردو زبان کی تحریر میں نقطوں کا اہم رول ہے نقطے لگاتے وقت یہ امر ملحوظ رہے کہ نقطوں کی ترتیب صحیح ہے خاص طور پر ایسے الفاظ مثلاً پیچیدہ، حقیقت، شمشاد، مستثنٰی تخلیقات وغیرہ جن میں نقطے زیادہ آتے ہیں بہت توجہ طلب ہیں، اکثر اوقات رجحان کو رحجان، ملاحظہ کو ملاخطہ، مصنّف کو منصف، خجالت کو جہالت اور مینار کو منیار لکھا ہوا دیکھا گیا ہے جو عبث ہے۔

۲۔ دائرے کی طرح گول حروف کی اشکال پورے اطمینان سے حلقوں میں بنائی جائیں، ج، س، ص، ع، ق، ل، ن، اور ی کے حلقے گولائی میں خوبصورت انداز میں بنائے جائیں، بعض طلبہ ج کو دائیں سے شروع کرتے ہیں بعض انگریزی کی عادت کی وجہ سے ب، ک اور ن وغیرہ کو بائیں طرف سے شروع کر دیتے ہیں، حلقے والے حروف کی کشتی نما حروف ب، ف اور ک وغیرہ کی اشکال بھی درست انداز میں ہوں۔

۳۔ حروف کو باہم جوڑتے وقت یہ امر ملحوظ رہے کہ اس کی درست شکل کیسی ہے مثلاً بد:

(ب+ د) بر : (ب+ر) نیز شمع، ضلع، وضع، درلغ اور صغیر میں ع اور غ کی ساخت اور بصد، مقصد، مخصوص، صداقت، مصداق وغیرہ میں ص کی ساخت اور اسی طرح صلح، واضح، ستلج، تجربہ میں ج یا ح کی ساخت میں اکثر غلطیاں مشاہدے میں آئی ہیں۔

۴۔ الفاظ میں حروف کی اپنی شکل موزوں انداز میں موجود ہو تو لفظوں کے بغیر بھی اس کا تصور اجاگر ہو جاتا ہے مثلاً بلند، نیند، گونج، گیند، ذخیرہ، تفریق، نفرت پر نظر ڈالیں، شوشے اور اشکال از خود ایک تصور دیتے ہیں، اگرچہ ایک، اٹک+لفظوں، نقطوں کی طرح کے جوڑے بھی ہیں جو نقاط کے بغیر اپنا تصور پیدا نہیں کرتے لیکن مسلسل عبارت میں یہ بھی پہچانے جائیں گے۔

۵۔ ز، ذ، ض، ظ ایک ہی آواز پیدا کرتے ہیں بعض طلبہ گزرنا کو گذرنا، ذائقہ کو زائقہ، زکریا کو ذکریا، مضبوط کو مظبوط، لہٰذا کو لحاظہ اور عذر کو عزر لکھ دیتے ہیں جس پر بہت دکھ ہوتا ہے۔ اسی پر بس نہیں زیادہ، ذمہ داری، زائل، مظاہرہ اور ضیافت جیسے سادہ الفاظ بھی غلط املا سے لکھے ہوتے ہیں۔

۶۔ دوچشمی ھ صرف مرکب حروف میں استعمال کی جائے مرکب حروف بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ وغیرہ ہیں۔ سرگودھا، گوندھنا، مُنھا، چولھا، کھاٹ، چھتری، دھوبی، جھنڈا، الجھن، اینٹھن، بھینس وغیرہ میں اسے ضرور استعمال کیا جائے لیکن دہائی کو دھائی، کہنا کو کھنا، پہر کو پھر، پہل کو پھل، پہلا کو پھلا، کہلایا کو کھلایا لکھ دیا جائے تو پڑھنے والے کو غلطی لگ سکتی ہے اور مفہوم بدل جاتا ہے۔

۷۔ الفاظ کو بلا وجہ جوڑ کر لکھنا قطعی طور پر درست نہیں، کے لئے کو کیلئے، کی طرح کو کیطرح، کی وجہ کو کیوجہ، کے ذریعے کو کیذریعے، جائے گی کو جائیگی، ان کا کو انکا، آپ کو کو آپکو، اس وقت کو اسوقت، ایک دوسرے کو ایکدوسرے لکھنا درست نہیں، اس عادت کو ترک کرنا ضروری ہے۔

۸۔ ایک جیسی آواز والے مختلف المعانی الفاظ کو لکھتے ہوئے درست ہجے ذہن میں رہنے چاہئیں، جیسے اَمر، عُمر ۔ عَبد، اَبد ۔ قمر، کمر ۔ سدا، صدا ۔ ھَوا، ہَوا ۔ اَمارات، عمارت وغیرہ۔

۹۔ کچھ طلبہ بہرحال کو بحرحال اور السلامُ علیکم کو السلام وعلیکم لکھ دیتے ہیں جو سراسر غلط ہیں۔

۱۰۔ ''ص'' کی اپنی مخصوص شکل ہے اس کی ساخت کو مدنظر رکھا جائے ورنہ روانی سے لکھی ہوئی تحریر میں مقصد کو مقعد پڑھا جائے گا، فصل کو فعل اور حاصل کو حامل سمجھا جائے گا، فاصلہ، مقصود، صندوق، صیاد، تفصیل، فصیل، قصور، مصوّر اور خصوصی وغیرہ ''ص'' کا دندانہ بنانا ضروری ہے۔ ضرور، مضر، اصرار وغیرہ میں دندانہ نہیں لیکن شکل بہرحال واضح ہو۔

۱۱۔ کچھ الفاظ بہت معمولی فرق رکھتے ہیں اور طلبہ احتیاط نہ کریں تو اُن کے غلط پڑھے جانے کا احتمال رہتا ہے مثلاً عبادت، عبارت ۔ یاد، یار ۔ تعداد، حقدار ۔ منیر، میز ۔ نعت، لُغت وغیرہ۔

۱۲۔ ایسے الفاظ جن کے تلفظ کی وضاحت ضروری ہو انہیں ضروری اعراب کے بغیر نہ لکھا جائے مثلاً اِنعام (پرائز)، اَنعام (مویشی)۔ دَھن (دولت) دُھن (شوق) ۔ اُڑنا (پرواز کرنا) اَڑنا (ڈٹ جانا)۔ چُرانا (چوری کرنا) چَرانا (گھاس کھِلانا ۔ اَنیس (نام) اُنیس (۱۹)۔ بہتر (اچھا) بہتّر (۷۲) وغیرہ۔

۱۳۔ شعر کی علامت ؎ اور مصرع کی ع ہے اس کا خیال رکھا جائے۔

۱۴۔ خوش خطی کی کوشش میں روانی اور تیز رفتاری متاثر نہیں ہونی چاہئے کیونکہ زودنویسی کی مشق امتحانی نقطۂ نظر سے انتہائی ضروری ہے، اس لیے خوش خطی سیکھنے کے عمل میں بات ذہن میں رہے کہ آپ کی رفتار بتدریج بڑھ رہی ہے یا نہیں۔

۱۵۔ اِنشائیہ طرز کی تحریروں میں شہ سُرخیوں کا استعمال مفید ہے اس سے تحریر میں جاذبیت پیدا ہوتی ہے خود لکھنے والے کو بھی خیالات کو مجتمع کرنے میں مدد ملتی ہے۔

۱۶۔ بعض مرکبات میں الفاظ کو اکٹھا کرتے ہوئے ان میں زبان کی روانی کی خاطر تبدیلی آجاتی ہے انہیں مروّج انداز میں ہی لکھا

ضروری ہے، اس لیے خوش خطی سیکھنے کے عمل میں بات ذہن میں رہے کہ آپ کی رفتار بتدریج بڑھ رہی ہے یا نہیں۔

۱۵۔ اِنشائیہ طرز کی تحریروں میں شہ سُرخیوں کا استعمال مفید ہے اس سے تحریر میں جاذبیت پیدا ہوتی ہے خود لکھنے والے کو بھی خیالات کو مجتمع کرنے میں مدد ملتی ہے۔

۱۶۔ بعض مرکبات میں الفاظ کو اکٹھا کرتے ہوئے ان میں زبان کی روانی کی خاطر تبدیلی آجاتی ہے انہیں مرّوج انداز میں ہی لکھا جائے جیسے گھوڑا + سوار = گُھڑسوار، ہاتھ + گاڑی = ہَتھ گاڑی، پانی + بجلی = پَن بجلی، ہاتھ + کڑی = ہتھ کڑی وغیرہ۔

۱۷۔ بعض اسم صفت اپنے موصوف کی وجہ سے مونث ہو جاتے ہیں اور بعض نہیں ہوتے، ان مثالوں پر غور کیا جائے، سیدھی سڑک اور سیدھا رستہ، نیلی ٹوپی اور نیلا قلم، اُجلی وردی اور اُجلا کرتا، بھاری پتھر اور تازہ روٹی وغیرہ۔

اردو کو لشکری زبان کہتے ہیں، اس میں مختلف زبانوں کے الفاظ سمونے کی صلاحیت ہے، ہر زبان کے اپنے اصول و قواعد ہیں لہٰذا اردو میں شامل ان زبانوں فارسی، عربی وغیرہ پر عبور ہونا ضروری ہے جو یقیناً سب کے بس کا روگ نہیں، تاہم درست املا کیلئے اتنی شُدبُد ضروری ہے کہ ناگوار غلطیاں نہ ہونے پائیں مثلاً زَدوکوب کو زُودکوب پڑھنے والے کے بارے میں فوراً علم ہو جاتا ہے کہ فارسی سے شغف نہیں رکھتا ایک اور ضروری مثال یہ ہے کہ کشیدن (کھینچنا) مصدر سے ”کَش“ حاصل مصدر ہے لہٰذا محنت کَش، سرکَش، دُودکَش، سرکَشی، بادہ کَش، خارکَش وغیرہ کا لاحقہ ”ک“ پر ”زبر“ کا تقاضا کرتا ہے جبکہ کُشتن (مارنا) سے ”کُش“ حاصل مصدر ہے، خُودکُش، خودکُشی، مردم کُش، جراثیم کُش وغیرہ کا لاحقہ ”ک“ پر ”پیش“ کے ساتھ درست ہے۔ فارسی سے لاعلمی کی بنا پر اکثر طلبہ دوئم، سوئم لکھ دیتے ہیں جبکہ دوم، سوم درست املا ہے۔ اسی طرح لاچار، لاپروا درست مرکب نہیں مانے جائیں گے کیونکہ ”لا“ عربی کا سابقہ ہے، چار اور پروا عربی کے الفاظ نہیں ہو سکتے، کیونکہ عربی میں نہ ”چ“ ہے نہ ”پ“ لہٰذا ناچار اور بے پروا درست املا ہے البتہ لامکان، لاریب، لاعلاج، لاشعور، لاعلمی میں ”لا“ کا سابقہ درست ہے۔

اگر ہمارے طالب علم تھوڑی توجہ کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ بہت جلد اپنی تحریر میں پائی جانے والی خامیوں کو دُور نہ کر سکیں۔

☆☆☆☆☆

ایمان داری ہی کامیابی کی شرطِ اوّل ہے

حافظ شاہد رسول

"ایمانداری" کے لغوی معنی "ایمان رکھنے" کے ہیں۔ اصطلاح میں ایمان اس یقین کا نام ہے۔ جس پر کسی فرد کے عقیدہ کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں۔ فرموداتِ ربانی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں جب انسان کی اندر ایک ایسا ضمیر بیدار ہو جاتا ہے جس سے زندگی کے ہر معاملے اور ہر مسئلے میں انسان اچھائی اور برائی میں امتیاز کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ ایک ایسی کسوٹی قائم ہو جاتی ہی جو انسان کے قلب وذہن کو نیک وبد میں تمیز کرنے کا ملکہ عطا کرتی ہے۔ اس کے اندر ایک ایسی تحریک پیدا ہو جاتی ہے کہ جو عمل کرنے کا ارادہ کرے تو باطن سے ایک فیصلہ صادر ہوتا ہے کہ یہ عمل جائز ہے یا قبیح! بایں ہمہ توفیق کا معاملہ ذات خداوندی کی جانب سے ہے۔ ایک حدیث شریف کا مفہوم اس طرح ہے۔

"اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں اس میں دین کی سمجھ پیدا کر دیتے ہیں اور مَیں تقسیم کرنے والا ہوں۔ دینے والا تو حقیقت میں اللہ ہی ہے۔ یہ امت ہمیشہ اللہ کے حکموں پر قائم رہے گی اور اس کے مخالفین اسے نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ جائے۔"

گویا واضح ہوا کہ اللہ کے حکموں پر قائم رہنے والی امت کو ہمیشہ غلبہ رہے گا۔ اسی سے یہ نکتہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ خداوندِ قدوس نے جن لوگوں کے دلوں پر مہریں لگا دیں اور انہیں دین کی عطر بیز عطاؤں سے محروم کر دیا تو اللہ کے نبی کے رشتے دار ہونے کے باوجود ایمان کی نعمت سے محروم رہے بلکہ اسلامی لشکر سے نبرد آزما ہوتے رہے۔ پھر خدائے بزرگ و برتر نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی بھی دی کہ ان لوگوں کی فکر نہ کرو، کہ یہ دوزخ کا ایندھن بننے والے ہیں۔ اس لئے کہ میں نے ان کے قلوب واذہان کو مقفل کر دیا ہے۔

ایک اور حدیث کا مفہوم اور خلاصہ کچھ یوں ہے کہ ایمان والوں میں تقدیر کا بھروسہ پایا جاتا ہے اور وہ اللہ پر توکل کرنے میں پختہ ہوتے ہیں۔ مصائب و آلام کے دوران ان کا شیوہ صبر ہوتا ہے اور فتح مندی، خوشحالی اور نعمتوں کی حصولیابی پر شکران کا شعار ہوتا ہے۔

گویا وہ ہر حال میں خدا کی رضا ہوتے ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے جو ہو کتنا ہی صاحب فہم وذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

ایمانداری کے ایک عام فہم معنی دیانت وصداقت کے ہیں اور امانت داری بھی اسی کے ضمن میں آتی ہے۔ کاروباری دیانت، معاملات میں سچائی، حقوق وفرائض میں توازن، باہمی خلوص و ایثار، آپس میں اعتماد کی فضا اور معاملاتِ زندگی میں احکام الٰہی کی بالا دستی یہ سب ایسی صفات ہیں جو ایک مومن کو قرب خداوندی سے ہمکنار کرتی ہیں اور آخرت کی کامیابی کی ضمانت پاتا ہے۔ دنیا کا معاملہ بڑا عجیب اور بہت واضح نوعیت کا ہے۔ جب کوئی دنیا کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیتا ہے تو دنیا اس سے دور ہوتی جاتی ہے اور جب انسان قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے دنیاوی مفادات اور دنیاوی لالچ کو ترک کر دیتا ہے تو دنیا کے مال و

اسباب اس کی خدمت کے لئے از خود حاضر ہوجاتے ہیں۔ اس طرح اسے دین کا تقرب حاصل ہوجاتا ہے اور دنیا کے معاملات بھی ایک غیبی ہاتھ سے ایک خود کار نظام کی طرح سلجھتے جاتے ہیں۔ ایک طمانیت کا احساس ہوتا ہے۔ سکون قلب کے سبب اس کے سارے دکھ درد ختم ہوجاتے ہیں اور وہ شدید کرب کی حالت میں بھی صبر کے بل بوتے پر مطمئن رہتا ہے۔

اللہ پاک نے اکثر انبیاءؑ کی صفات میں ’’امین‘‘ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش مکہ اعلان نبوت سے قبل بھی ’’امین‘‘ کے لقب سے پکارتے تھے یہاں تک کہ ہجرت کی رات جب قریش مکہ نے آپ کے گھر کا گھیراؤ کر رکھا تھا اس حالت میں بھی کفار کی امانتیں آپ کے ہاں موجود تھیں۔ ایک انسان کا دوسری انسان پر جس قدر حق بنتا ہے اسے پوری پوری صفائی کے ساتھ رتی رتی ادا کرنے کا نام امانت داری ہے۔ اسی صول کے تحت اللہ کے پیارے نبی نے ابتلاء وآزمائش کی گھڑی میں حضرت علیؓ کے ذمہ کیا کہ وہ صبح کفار مکہ کی امانتیں واپس کر کے مدینہ چلے آئیں۔ ان دشمنوں کے حق کا اس قدر لحاظ رکھنا جو جان کے درپے ہیں، کچھ معمولی بات نہیں۔ یہی درس ہم سب کے لئے بطور نمونہ ہے۔ ایک حدیث پاک کا ترجمہ ہے:

’’سچا اور امانت دار سوداگر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔‘‘

اللہ پاک کی خوشنودی اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے صرف نماز روزہ ہی کافی نہیں۔ دینوی مشاغل اور کاروبار زندگی میں صداقت وامانت اور عدل واحسان سے اگر پوری طرح کام نہیں لیا جاتا، جائز منافع، انسانیت کے نفع کے کاروبار، مناسب مال پیش کرنے اور اسی طرح کے دیانتدارانہ اصولوں پر کاروبار کی بنیادیں کھڑی کی جائیں۔ ذخیرہ اندوزی، سمگلنگ، ناجائز منافع خوری، گھٹیا مال کی فراہمی اور انسانیت کے لئے ضرر رساں اشیاء کا کاروبار نہ صرف دنیا میں رسوائی کا باعث بنتا ہے بلکہ آخرت میں عذاب کی خطرناک صورتوں میں درپیش آئے گا۔ اگر کسی کی کمائی میں دوسرے کا حق ضائع ہو رہا ہے۔ اس کے کاروبار میں دیانتدارانہ طریقوں کو بروئے کار نہیں لایا جارہا ہے۔ اس کی فروخت کردہ اشیاء سے معاشرے میں کوئی برائی پھیل رہی ہے۔ اس کے ہاتھوں عوام الناس کو بلاواسطہ یا بالواسطہ نقصان کا احتمال ہے۔ چاہے وہ خود صرف ہدایات جاری کرنے پر مامور ہو یا صرف سرمایہ لگانے تک محدود ہو اور کارندوں کے ذریعے کام کر رہا ہو۔ اس کی نمازوں کا کیا فائدہ؟ اس کے روزوں میں کیا برکت؟ اس کی زکوٰۃ اس کے مال کا تزکیہ کیسے بنے گی؟ اس کے حج اور عمرے کس طرح کام آئیں گے؟

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے

اسی لئے اسے مذہب یا عقیدہ کا نام دینا درست نہیں۔ اسے ’’دین‘‘ کہنا ہی مناسب ہے، اس دین نے دنیاوی مشاغل، پیشوں اور رزق کے حصول کے طریقے بھی سکھائے ہیں۔ حکومت کرنے اور سیاست کا نظام چلانے کے قواعد بھی سمجھائے ہیں۔ یہ تو محض مخالفین کا پروپیگنڈا ہے کہ اسلام جنگ وجدال کا مذہب ہے، حالانکہ اسلام نے اپنے جہاد کے نظریے میں جس قدر انسانیت دوستی اور رحم وکرم کا درس دیا ہے اس کی مثال کسی اور مذہب میں ملنا مشکل ہے۔ مجاہدِ اسلام نہتوں پر حملہ نہیں کرتا، اسلام کا سپاہی مویشیوں اور زرعی اجناس کے کھیتوں کو پامال کرنے سے بھی گریز کرتا ہے۔ دشمن کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا بھی اسے زیب نہیں دیتا۔ تاریخ میں ایسی ہزاروں مثالیں موجود ہیں کہ اسلامی سپاہ نے دشمنوں پر عفو والطاف کے دروازے کھول دیئے۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کے مطابق بھرپور اور مکمل اطاعت شعاری سے زندگی گزارنے کا نام اسلام ہے۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ دیانت داری کا تعلق نقد روپے پیسے تک محدود ہے لیکن ایسا ہرگز نہیں، ایمان داری اگر اس نیت سے ہے کہ وہ فلاح پانے اور غالب آنے کا فائدہ دے تو ہر قسم کے مالی، قانونی، اخلاقی، عملی، گھریلو،

عائلی اور معاشرتی معاملات میں ایمانداری کو اختیار کرنا ہوگا سورۃ المومنون میں ارشاد باری تعالیٰ ہے جس کا مفہوم اس طرح ہے کہ "جو لوگ اپنی امانتوں اور عہد و قرار میں پوری پوری پاسداری کرتے ہیں وہ فلاح پانے والے ہیں۔"

قومی کامیابی کے لئے قوت کی بھی ضرورت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"تم اپنی استطاعت کی حد تک مادی ساز و سامان تیار کرو تا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو مرعوب کرسکو۔"

اپنا تشخص اور انفرادیت قائم رکھنا بھی ملتِ اسلامیہ کی اہم ضرورت ہے کیونکہ دین کا بول بالا رکھنے کے لئے غلامی میں مناسب ماحول دستیاب نہیں ہوسکتا۔ آزادی اور خود مختاری بھی بہت ضروری ہے، کمزور اور بے دست و پا قوم نہ تو اللہ کے دین کو دنیا میں غالب کرسکتی ہے نہ حق کی تبلیغ اور دشمنانِ اسلام کے خلاف جہاد میں فتح مندی اور سر بلندی سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ہر معاملے میں امانت داری اور دیانت کو ملحوظ رکھیں۔ جوانی اور شباب بھی خدا کی دی ہوئی نعمتیں ہیں۔ اپنی صلاحیتوں کو دین کی سر بلندی کے لئے استعمال کرنا بھی ایمان داری کے تقاضوں میں سے ہے۔ صحت مند اور نوجوان طبقہ پر لازم ہے کہ وہ خدا کی دی ہوئی ان نعمتوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نفاذ میں استعمال کریں۔ اس سلسلے میں بخل سے کام لینا اور ضرورت پڑنے پر قوم کی خدمت میں اپنے جان و مال کا نذرانہ پیش کرنے سے پس و پیش کرنا کفرانِ نعمت کے مترادف ہے۔ ایسے کاموں میں جوانوں کا بڑھ چڑھ کر حصہ لینا جن کو سرانجام دینے سے ضعیف العمر لوگ قاصر ہیں کسی عبادت سے کم نہیں۔ امن ہو یا ہنگامی حالات عوام کی فلاح ہر وقت مقدم ہے۔ عوام الناس کی بہتری اور انسانیت کی بقا کے لئے کوشاں رہنا بھی عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔ دہشت گردی کو روکنے کی کوشش کرنا، معاشرے کے ناسوروں سے عدم تعاون اور قطع تعلق کرنا، برائیاں پھیلانے والے عناصر کی سرکوبی میں حکومت کی مدد کرنا۔ ہر معاملے میں قرآن و سنت کے احکام کو اولیت دینا، انسانوں کے سکونِ قلب کے لئے کوشاں رہنا۔ علم کے نور سے معاشرے میں آگہی و عرفان کے عناصر اجاگر کرنا، دشمنوں کی سازشوں سے باخبر رہنا اور دوسروں کو ان کے ہتھکنڈوں سے باخبر رکھنا۔ یہ سب ایسے کام ہیں جن سے معاشرے میں امن و سکون کی فضاء قائم ہوسکتی ہے اور اسلام تو امن و آشتی کا دین ہے۔ جب اہم اسلامی اقدار کو اپنائیں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ خداوند اپنی نصرت سے ہمیں بامِ عروج تک نہ پہنچائے۔ صرف خلوصِ نیت کے ساتھ عملی اقدام کرنے کی ضرورت ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ اللہ کے وعدے سچے ہیں اور وہ صرف اسی قوم کو اپنی عنایات سے نوازنے کا سزاوار ہے جو ہر معاملے میں اس کے احکام کی پاسداری کرے۔ ان صداقتوں کی عملی تفسیر سامنے لانے کے لئے اور ملت اسلامیہ کو بامِ عروج تک پہنچانے کے لئے مسلسل عمل کی ضرورت ہے اور اللہ پر بھروسہ کرنا پہلی اور ضروری شرط ہے۔

علامہ اقبال نے فرمایا۔

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد

ایک اور مقام پر فرمایا۔

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

نگاہ کی حرکت سے تقدیریں بدلنے اور اپنے زورِ بازو سے بے اندازہ قوت کا مظاہرہ کرنے کے لئے خلوص کے ساتھ یقین کرنے اور ایمان داری کے ساتھ اعمال سرانجام دینے کی ضرورت ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب امت مسلمہ ایمانداری کی قوت سے سرشار تھی تو دنیا اس کے قدموں میں بچھ گئی تھی۔ بڑے بڑے جہانداروں کے پتے پانی ہو جاتے ہیں۔ دلوں میں ایمان کا نور موجود ہو تو دنیا کی کوئی طاقت مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ اب بھی اگر ہم مایوسی کے خود ساختہ ہیولے کو اپنے قلب و ذہن سے نکال باہر کریں

اور ملت کی درست انداز میں شیرازہ بندی کر کے اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ خدا کی مدد ہمیں نہ پہنچے۔ اپنے دلوں کو بد دیانتی کے روگ سے پاک کر کے معاشرے کو اسلامی اقدار کا گہوارہ بنا دیں تو دنیا ملت اسلامیہ کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو جائے۔ اگر آج بھی بدر و حنین کی طرح کی فضائیں قائم ہو جائیں تو کوئی مشکل نہیں کہ دنیا ہمارے قدموں تلے آ جائے کیونکہ ع

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ

بلکہ علامہ اقبالؔ نے تو یہ فرمایا:

بنتے ہیں مری کارگہِ فکر میں انجم
لے اپنے مقدر کے ستارے کو تُو پہچان

☆☆☆☆

موسم کی تبدیلی اور جلد کی حفاظت

شہلا نرگس

موسم کی تبدیلی جلد پر اثرانداز ہوتی ہے۔ جس طرح سرد موسم میں آپ دھوپ سے لطف اندوز ہوتے ہیں اسی طرح گرم موسم میں خود کو دھوپ سے بچانا چاہئے۔ ویسے تو سردیوں میں بھی زیادہ دیر دھوپ میں رہنے سے جلد کی رنگت ماند پڑ جاتی ہے، جلد مرجھا جاتی ہے اور اس پر جھریاں پیدا ہونے لگتی ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ زیادہ دیر دھوپ میں رہنے والوں کو جلد کا کینسر بھی ہوسکتا ہے۔ ہاں اگر تھوڑی دیر سن باتھ یعنی تھوڑی دیر دھوپ میں بیٹھا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اس عمل کی زیادتی کسی بھی طرح مناسب نہیں۔

ڈبلیو ایچ او (WHO) میں عوامی صحت و آب وہوا کی ڈائریکٹر ماریہ نیرا کا کہنا ہے کہ سورج کی روشنی میں زیادہ دیر رہنے سے ہر سال چھ ہزار سے زائد اموات ہوتی ہیں۔ زیادہ تر اموات سورج کی نقصان دہ شعاعوں یووی آر (UVR) یعنی الٹراوائلٹ ریز سے پیدا کردہ جلد کے سرطان سے ہوتی ہیں۔ اس رپورٹ کے مطابق یووی ریز سے جلد جل بھی جاتی ہے، اس سے زخم بھی ہوجاتے ہیں اور جلد عمر رسیدہ ہونے لگتی ہے۔

ماریہ نیرا کہتی ہیں ہمیں سورج کی روشنی کی کچھ حد تک ضرورت ہوتی ہے، مگر زیادہ مقدار میں سورج کی روشنی جان لیوا حد تک خطرناک ثابت ہوتی ہے۔ گرمیوں کی آمد آمد ہے۔ اس موسم میں زیادہ دیر تک دھوپ میں آرام کرنا، زیادہ دیر تک کچن میں رہنا جلد کیلئے نقصان دہ ہے۔

خواتین صبح نماز کے بعد اور شام کے وقت جب گرمی کا زور ٹوٹ جاتا ہے کچن کے کام نبٹا سکتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ جلد کی حفاظت بھی بے حد ضروری ہے۔ اس مقصد کیلئے ایلوویرا (گھیکوار) اور انگور کا رس جلد پر لگائیں۔ کچھ دیر بعد منہ دھولیں۔ دھوپ یا زیادہ دیر تک گرم ماحول میں کام کرنے والے افراد کیلئے یہ بہترین ٹانک ہے۔ انگور کا رس بھی جلد پر لگایا جا سکتا ہے اور اس کا ماسک گھر پر تیار کیا جاسکتا ہے۔

انگور کا ماسک:۔

انگور کے رس میں انڈے کی زردی ملا کر پھینٹ لیں۔ جھاگ اٹھ جائے تو تھوڑی دیر فریج میں رکھیں۔ پھر جلد پر ماسک کے طور پر لگائیں۔ جلد خشک ہو جائے تو منہ دھولیں۔ جلد صاف تولیے سے خشک کریں اور کوئی اچھا سا سکن ٹانک لگالیں۔ اس مقصد کیلئے آپ عرق گلاب بھی لگاسکتی ہیں۔ اس کے لگانے سے جلد نرم و ملائم اور تازہ ہو جائے گی۔ عرق گلاب ہر موسم میں لگانا مفید ہے۔ اس کی افادیت گرمیوں میں بڑھ جاتی ہے۔

آنکھوں میں جلن کی صورت میں اسے آنکھوں میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ خوبصورتی کیلئے تیار ہونے والی کریموں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ گرمیوں میں قرشی کا عرق گلاب ہر وقت اپنے فریج میں رکھیں اور اس کی افادیت سے خوب لطف اندوز ہوں۔ بعض خواتین کو رنگ گورا کرنے کا جنون ہوتا ہے۔ اس مقصد کیلئے وہ اشتہاری کریموں کا استعمال

کرتی ہیں جن سے کچھ دیر تک جلد پر خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں بعد میں جلد خراب ہو جاتی ہے۔ ایک بات ذہن میں رکھیں۔ سیاہ رنگت کبھی سفید نہیں ہوا کرتی۔ اصل چیز جلد کی شگفتگی اور تازگی ہے نہ کہ گورا رنگ۔ جلد صاف ستھری، داغ دھبوں سے پاک شفاف اور چمکدار ہو تو سانولا رنگ بھی زیادہ پُرکشش لگتا ہے۔ اس مقصد کیلئے ماسک لگائے جاسکتے ہیں۔ جلد کی صفائی اور اس کی صحت پر توجہ دی جاسکتی ہے۔ منہ دھونے کیلئے ہمیشہ ایسا صابن استعمال کریں جس کے استعمال سے جلد خشک نہ ہو۔ منہ دھونے کے بعد موئسچرائزنگ کریم لگائی جاسکتی ہے۔ کینو اور گاجر رنگت نکھارنے کیلئے بے حد مفید ہیں۔ آج کل ان دونوں چیزوں کا موسم ہے۔ انہیں کھائیں اور جلد پر ان کا رس بھی لگائیں۔

گرمیوں کے مفید لوشن:۔

عرق گلاب میں چائے کے دو بڑے چمچ گلیسرین اور ایک لیموں کا رس ملا لیں۔ منہ دھونے کے بعد چہرے اور ہاتھوں پر لگائیں۔ اسے فریج میں رکھیں اور گرمیوں میں صرف اتنا ہی لوشن تیار کریں جو دو تین دن میں ختم ہو جائے۔ سردیوں میں اسے مہینوں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف پھلوں اور سبزیوں کا رس جلد پر لگانا بھی مفید ہے۔ یہ اس صورت میں کہ آپ کی اندرونی صحت بھی قابلِ رشک ہو۔

اس مقصد کیلئے متوازن غذا لیں۔ خصوصاً صبح کا ناشتہ بھرپور کریں۔ اس سے جسم میں توانائی پیدا ہوتی ہے۔ غذا میں پھلوں اور سبزیوں کا استعمال بڑھا دیں۔ پانی کا زیادہ استعمال کریں۔ سادہ پانی زیادہ مفید ہے۔ نیند پوری لیں۔ قبض نہ ہونے دیں۔ سنگترہ کھائیں اور اس کا رس جلد پر لگائیں۔ یہ ذہنی اور تخلیقی صلاحیتوں کو بڑھاتا ہے۔ سنگترے کے چھلکے سکھا کر پیس لیں۔ اسے کسی صاف بوتل میں محفوظ کرلیں۔ ہفتے میں دوبار اس سفوف کو عرق گلاب میں ملا کر جلد پر لگائیں۔ رنگت نکھارنے کیلئے یہ بہترین ہے۔ اس کے علاوہ جلد کی شگفتگی اور تازگی کیلئے آزمودہ نسخہ ہے۔

انار معدے کو طاقت دیتا ہے۔ خون کی کمی دور کرتا ہے۔ بینائی تیز کرتا ہے۔ اسے کھانا اور اس کا رس جلد پر لگانا مفید ہے۔

پھلوں کا ذائقہ اپنی جگہ مگر ان سے حاصل ہونے والے فوائد کا اندازہ کم لوگوں کو ہوتا ہے۔ پھلوں کے استعمال سے بڑھاپے تک بدن میں چستی برقرار رہتی ہے۔ جسمانی نشوونما کیلئے فطری اور موثر ذریعہ ہے اور یہ بہت سے امراض سے بھی محفوظ رکھتے ہیں۔

خشک جلد نرم وملائم کرنے کیلئے:۔

آٹے کی بھوسی میں دودھ ملا کر جلد پر لگانے سے مردہ خلیات ختم ہو جاتے ہیں۔ چہرے پر تازگی اور شادابی آجاتی ہے۔

جلد کو چکنائی فراہم کرنے کیلئے دودھ میں روئی ڈبو کر چہرے پر وقفے وقفے سے لگائیں۔ پھر سادہ پانی سے چہرہ دھولیں۔

دہی میں لیموں کا رس ملا کر چہرے پر لگائیں۔ ایک خاص قسم کی چمک، دلکشی اور تازگی محسوس ہوگی۔

آئس کیوب (برف کی ٹکڑیاں) میں لیموں کا رس اور گلاب کا عرق ہموزن لے کر جمالیں۔ انہیں دن میں دو تین بار جلد پر رگڑیں۔

کھلی کھلی چمکدار پُرکشش جلد کیلئے عرقِ گلاب، لیموں کا رس تھوڑا سا زعفران، زیتون کے تیل میں ملا کر رات کو چہرے پر ہلکے ہاتھوں سے مساج کریں۔ صبح منہ دھولیں۔

گاجر، نارنجی، دودھ میں گرائینڈ کر کے جلد پر لگائیں۔ بیس منٹ بعد منہ دھولیں۔

لیموں اور صندل وڈ کا ماسک:۔

صندل کی تازہ پیسٹ، لیموں کا رس چند قطرے، ہلدی چٹکی بھر، تھوڑا سا عرق گلاب۔ ان سب چیزوں کا پیسٹ بنا کر جلد پر لگالیں۔ تھوڑی دیر بعد منہ دھولیں۔ یہ ماسک جلد کو تروتازہ اور نرم وملائم بناتا ہے۔ بالائی میں

لیموں کا رس ملا کر لگائیں۔ بادام کی گریوں کا چھلکا اتار لیں۔ دودھ میں گرائینڈ کر کے جلد پر لگائیں۔

خشک اور کھردری جلد کیلئے:۔

مسور کی دال، پیلی سرسوں کے بیج، ایک بادام، چٹکی بھر خشخاش، دو تین گلاب کی پتیاں۔ رات بھر دودھ میں بھگو دیں۔ صبح گرائینڈ کر کے جلد، گردن اور ہاتھوں پر لگالیں۔ خشک ہونے پر غسل کر لیں۔ چہرہ شاداب اور تروتازہ ہو جائے گا اور ایک خاص قسم کی چمک آپ کو دوسروں سے نمایاں کرے گی۔

پودینے کی پتیاں کھلے منہ کے برتن میں اُبال لیں۔ پھر اسے چھان کر صبح نہار منہ چائے کا چوتھائی کپ پیا کریں۔ بہت جلد آپ کی رنگت چکمدار اور دلکش ہو جائے گی۔

مسکرایئے ناں

راجہ طاہر محمود

چینی کہاوت ہے ''جسے مسکرانا نہیں آتا اُسے دکان نہیں کھولنی چاہیے'' اگر آپ چینی قوم کو ملاحظہ کریں تو آپ کو اُن کے چہروں پر کھلی ہوئی معصوم مسکراہٹ رقص کناں نظر آئے گی۔ لگتا ہے سوائے مسکرانے کے اُنہیں اور کوئی کام ہی نہیں ان کی اچھی صحت کا راز بھی مسکرانے میں پوشیدہ ہے۔ ہم کیوں نہیں مسکراتے؟ آپ نے مشاہدہ کیا ہو گا کہ جو لوگ ہنستے، مسکراتے رہتے ہیں لوگ ایسے حضرات سے ملنا پسند کرتے ہیں بہ نسبت ان لوگوں کے جو ہر وقت جلے بھنے رہتے ہیں خود تو رنجیدہ ہوتے ہی ہیں اپنے ملنے والوں کو بھی رنجیدہ کر دیتے ہیں۔

آپ اگر اپنے گھر میں مسکراتے ہوئے داخل ہوتے ہیں تو آپ نوٹ کریں کہ گھر کے افراد بھی مسکرا کر آپ کو جواب دیں گے خاص طور پر آپ کے بچے (اگر ہیں تو) دوڑ کر آپ کی ٹانگوں سے لپٹ جائیں گے آپ کی بیوی آپ کو محبت پاش نظروں سے دیکھے گی یوں سارا گھر مُسکرانے لگے گا۔ لیکن اگر آپ گھر میں اسطرح داخل ہوئے ہیں کہ زمانے بھر کی محرومیاں آپ کے چہرے پر سجی ہوئی ہیں غصے سے آپ کے نتھنے پھول رہے ہیں تو آپ کی آمد سے سارا گھر سوگوار ہو جائے گا۔ بچے الگ سہمے پھر رہے ہوں گے ماں بچوں کو یہ کہہ کر دائیں بائیں کر رہی ہوگی کہ ''فیر آ گیا جے''۔

بڑھتی ہوئی مہنگائی اور اشیائے خورد و نوش کا حصول خاص طور پر متوسط طبقے کیلئے ایک بہت بڑا مسئلہ بن گیا ہے۔ اُس پر آئے دن یوٹیلٹی بلوں میں اضافے نے ہر شخص کو ٹینشن کا شکار کر دیا ہے لیکن ٹینشن لینے سے مسائل حل تو نہیں ہو جاتے البتہ مزید بڑھ جاتے ہیں جو خاص طور پر آپ کی صحت کو تباہ کر کے رکھ دیتے ہیں۔ ذہنی دباؤ کی وجہ سے ہائی بلڈ پریشر، پٹھوں کا کھچاؤ، شوگر اور دل کی بیماریاں ان مسائل سے بچنے کیلئے اگر آپ اُن حضرات کی حالت زار ملاحظہ کریں جو آپ سے زیادہ کسمپرسی کے عالم میں زندگی گزار رہے ہیں۔ اور جو سہولتیں آپ کے پاس ہیں وہ سرے سے اُن سے محروم ہیں جب آپ غور و فکر کریں گے تو بے ساختہ آپ کی زبان سے تشکر کے کلمات نکلیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے جو عطا کیا ہے اُس پر قناعت کریں راتوں رات امیر بننے کی بجائے محنت پر زور دیں، ہر حال میں اللہ کا شکر بجا لائیں اور خوب مسکرائیں یہ بھی اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔ ہر جاننے والے اور نہ جاننے والے سے خندہ پیشانی سے ملیں۔ سلام میں پہل کریں۔ دوسروں کے دُکھ درد میں شریک ہوں۔ اگر آپ دکاندار ہیں تو گاہک کا خوبصورت مُسکراہٹ سے استقبال کریں۔ اگر آپ گاہک ہیں تو دکاندار سے مُسکراتے ہوئے معاملات طے کریں۔ آپ یقین مانیں کہ آپ کی شخصیت میں ایک خاص وقار آ جائے گا اور آپ اپنے احباب میں ہرلعزیز شخصیت کے طور پر جانیں جائیں گے۔ اگر ٹریفک وارڈنز مُسکراتے ہوئے کسی شہری کو بتائیں کہ اُس نے ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کی ہے لہٰذا اس کا چالان

ہوگا تو شہری صرف اس لئے چالان کروائے گا کہ ٹریفک وارڈن نے انتہائی شائستہ طریقے سے اور مُسکراتے ہوئے اُسے اس کی غلطی سے آگاہ کیا تھا۔ الغرض مُسکرانے کے بے انتہا فائدے ہیں جو آپ شمار بھی نہیں کر سکتے آپ بھی یہ فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ آپ مُسکرائیں لہٰذا مُسکرائیے نا......

☆☆☆☆☆

فرمان قائد

خود پر بھروسہ کرنا

کسی پر تکیہ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ہمیں اپنے آپ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ میں ہر شخص کا دوست بننے پر رضامند ہوں لیکن بھروسہ اپنی طاقت پر ہی کروں گا۔ مسلم لیگ نے تا حال بہت معقول کام کیے ہیں لیکن ابھی اس کا آغاز ہی ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہندوستان میں بھی درحقیقت جنگ ہو رہی ہے۔ میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ کندھے سے کندھا ملا کر مسلم لیگ کی صفوں میں کھڑے ہو جائیں۔ (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ 6 مارچ 1940ء)

بارانی علاقے میں گندم کی کاشت

زرعی فیچر سروس

گندم کی پیداوار میں بارانی علاقے کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ کسی وجہ سے بارانی علاقے میں فی ایکڑ پیداوار میں کمی صوبہ کی مجموعی اوسط پیداوار میں کمی کا باعث بنتی ہے۔ اسی بنا پر بارانی علاقے کے کاشت کاروں کی فنی راہنمائی کیلئے گندم کی پیداواری ٹیکنالوجی تشکیل دی گئی ہے تا کہ کاشت کار اس پر عمل پیرا ہو کر بارانی علاقے میں گندم کی پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ کر سکیں۔

ماہرین کے مطابق فصلوں کی بہتر پیداوار کے عوامل کی درجہ بندی میں منظور شدہ اقسام جی اے 2002، عقاب 2000، چکوال 50 اور بھکر 2002۔ خالص، صاف ستھرے، صحتمند اور بیماریوں سے پاک بیج کا درجہ پہلے نمبر پر ہے۔ منظور شدہ اقسام کو سفارش کردہ وقت 15 اکتوبر تا 15 نومبر تک کاشت کریں نیز بیج کے اگاؤ کی شرح 85 فیصد سے کم نہ ہو۔ ماہرین کی سفارشات کے مطابق شرح بیج 15 نومبر تک بوائی کیلئے 50 کلوگرام فی ایکڑ اور 16 نومبر تا 15 دسمبر 60 کلوگرام فی ایکڑ رکھیں پچھیتی کاشتہ گندم کی شرح بیج میں اضافہ اس لئے ضروری ہے عام طور پر بیج کے اگاؤ کی شرح کم ہو جاتی ہے، شگوفے کم بنتے ہیں اور سٹے چھوٹے رہ جاتے ہیں اور پیداوار کیلئے صرف بنیادی شاخ پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ للہذا جس قدر بیج زیادہ ڈالیں گے اسی قدر سٹوں کی تعداد زیادہ ہو گی۔ شرح بیج میں مذکورہ اضافہ جڑی بوٹیوں کے کنٹرول کیلئے بھی مددگار ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر گندم کے پودے زیادہ ہوں گے تو جڑی بوٹیوں کے پھلنے پھولنے کا موقع نہیں ملے گا۔ کاشتکاروں کی سہولت کیلئے بارانی علاقوں میں معیاری بیج کی فراہمی کیلئے بھون فارم ضلع چکوال میں پنجاب سیڈ کارپوریشن کا خصوصی سینٹر قائم کیا گیا ہے۔ گندم کے وہ کاشتکار جنہوں نے اپنی فصل کی بوائی کیلئے اپنے کھیتوں سے بیج رکھا ہوا ہے ان کی سہولت کیلئے گندم کے بیج کی صفائی کیلئے مرکز کی سطح پر زراعت افسر کے دفتر میں 341 سیڈ گریڈر مہیا کئے گئے ہیں جبکہ نجی شعبہ کے گریڈر بھی استعمال لائے جا رہے ہیں۔ ان سے گندم کے بیج کی بہت اچھی طرح صفائی ہو جاتی ہے، سیڈ گریڈر سے گندم کا بیج چھوٹے اور بیمار دانوں کے علاوہ جڑی بوٹیوں کے بیجوں سے بھی پاک ہو جاتا ہے۔ گندم کے کاشتکاروں کو چاہئے کہ حکومت کی اس مفت سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بیج کو سیڈ گریڈر سے اچھی طرح صاف کروالیں۔ کھاد خصوصاً ڈی اے پی کی بچت کیلئے بینڈ ڈرل اور معیاری کٹائی کیلئے ریپر مشین زراعت آفیسر کے پاس دستیاب ہے۔

گندم کی مختلف بیماریوں میں کنگی، کانگیاری، کرنال بنٹ اور اکھیڑا وغیرہ زیادہ نقصان دہ ہیں اور پیداوار میں نقصان کا باعث بنتی ہیں۔ ان بیماریوں کی وجہ سے بارانی علاقے کے کاشتکاروں کو کافی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اس لئے کاشتکار بھائیوں کو چاہیے کہ وہ بوائی کیلئے بیماریوں کے خلاف قوت مدافعت رکھنے والی اقسام کا انتخاب کریں اور ان پر موثر قابو پانے کیلئے بیج کو بوائی سے ہفتہ عشرہ پہلے محکمہ زراعت کے مقامی عملہ سے مشورہ کر کے زہر لگانا چاہئے۔ گندم کی بوائی سے دو دن پہلے کھادوں

کی سفارش کردہ پوری مقدار کھیت میں بکھیر کر دو مرتبہ عام ہل چلائیں اور بھاری سہاگہ دیں تا کہ وتر زمین کی اوپر والی تہہ میں آ جائے اور بذریعہ ڈرل گندم کاشت کرنا چاہئے۔

اچھی پیداوار کیلئے کھادوں کا مناسب اور متناسب استعمال ضروری ہے لہٰذا محکمہ زراعت کے مقامی عملہ کے مشورہ سے بوائی سے قبل سفارش کردہ مقدار میں کھادیں ضرور ڈالیں۔

فاسفورس گندم کیلئے ایک اہم غذائی عنصر ہے۔ یہ جڑوں کو لمبا کرتی، تنے کو مضبوط کرتی، دانے کو موٹا کرتی اور متعدد بیماریوں کے خلاف قوت مدافعت فراہم کرتی ہے لہٰذا گندم کیلئے نائٹروجن اور فاسفورس کے استعمال کی نسبت تقریباً 1:1.5 یعنی ڈیڑھ بوری ڈی اے پی اور ڈیڑھ بوری یوریا رکھنا نہایت ضروری ہے کیونکہ فاسفورس کم استعمال کرنے کی وجہ سے پودا نرم اور زیادہ سبز ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے فصل کے گرنے اور اس پر بیماریوں کے حملے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے اور فصل کے پکنے میں تاخیر ہو جاتی ہے۔ اگر نائٹروجن اور فاسفورس کا تناسب صحیح رکھا جائے تو پیداوار میں 5 تا 10 من فی ایکڑ اضافہ ہو سکتا ہے۔

زمین کی بنیادی زرخیزی اور طبعی حالت کو درست رکھنے کیلئے دیسی و سبز کھاد کا استعمال بہت ضروری ہے۔ گوبر کی گلی سڑی کھاد اگر زمین کی تیاری سے پہلے دستیاب ہو تو بحساب 8 تا 10 ٹن فی ایکڑ ضرور استعمال کرنی چاہئے۔ اس سے زمین کی زرخیزی اور نامیاتی مادے میں اضافہ ہوگا اور زمین کی طبعی حالت بھی بہتر ہوگی۔ گوبر کی کھاد دستیاب نہ ہونے کی صورت میں اگر وقت ہو تو گندم کی کاشت سے قبل گوارہ، جنتر یا دیگر پھلی دار اجناس اگائیں اور پھول آنے کے وقت بطور سبز کھاد زمین میں دبا دینی چاہیے۔ اس سے زمین کی زرخیزی اور طبعی حالت بہتر ہو جائے گی اور گندم کی پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا نیز تین سال بعد تک سبز کھاد کے استعمال کی ضرورت نہیں ہوگی۔ خیال رہے کہ دیسی یا سبز کھاد زمین میں گندم کی بوائی سے دو ماہ قبل دبا دینی چاہئے۔

گندم کی اچھی اور زیادہ پیداوار حاصل کرنے کیلئے جڑی بوٹیوں کی تلفی انتہائی ضروری ہے۔ ایک اندازے کے مطابق جڑی بوٹیوں کی وجہ سے 14 تا 42 فیصد تک گندم کی پیداوار کم ہو جاتی ہے۔ جڑی بوٹیوں کی تلفی درج ذیل طریقوں سے کی جا سکتی ہے۔ اگر بیج کی فی ایکڑ مقدار میں اضافہ کر لیا جائے تو گندم کے پودوں کی فی ایکٹر تعداد بڑھ جاتی ہے۔ اس طرح جڑی بوٹیوں کو پھلنے پھولنے کیلئے کم جگہ اور کم غذائی اجزاء حاصل ہوتے ہیں اور ان کی نشوونما رک جاتی ہے۔ بوائی کے بعد اگر 18 تا 20 دن کے اندر اندر بارش ہو جائے تو کھیت وتر آنے پر دوہری بار ہیرو چلائی جانی چاہئے جس سے جڑی بوٹیاں بہت حد تک تلف ہو جاتی ہیں۔ جڑی بوٹیوں کی تلفی کیلئے یہ طریقہ مفید ہے۔ اس کا مزید فائدہ یہ ہے کہ زمین میں وتر دیر تک رہتا ہے۔ فصل کے اگاؤ کے بعد کھرپے یا کسولے سے خشک گوڈی کر کے فصل کو جڑی بوٹیوں سے پاک کیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆☆

فرمان قائد

خدا کی اعانت

مسلمانوں اور مسلم لیگ کا اتحادی مسلم قوم کے سوا کوئی نہیں۔ وہ خدائے واحد ہے جس کی طرف اعانت کے لئے مسلمانوں کی نظریں اٹھتی ہیں۔

(اجلاس مسلم لیگ، پٹنہ 26 دسمبر 1938ء)

افسانہ۔ پتھر کی آنکھ

نسیم اختر

یہ واقعہ تیسری بار رونما ہوا۔ اس لئے جہاں سب لوگ چونک گئے وہیں ایک غیر معمولی تغیر امان کے مقام و مرتبے میں بھی واقع ہوا۔ جب ایسا حادثہ پہلی بار پیش آیا تھا تو کسی نے توجہ نہ دی بس امان کو ذرا افسوس ہوا۔ دوسری مرتبہ اس کا افسوس تشویش میں بدل گیا اور ارد گرد بھی چہ مگوئیاں شروع ہو گئیں مگر اب تو یہ تیسری بار ہوا۔ ہر طرف سے توپوں کے دہانے امان پر کھل گئے۔ ٹی وی، ریڈیو اس خبر کو نشر کر رہے تھے۔ اخبارات میں امان کی تصویر کے ساتھ خبر چھپی تو عام لوگ بھی باخبر ہو گئے۔ امان دونوں ہاتھوں میں سر تھامے حیران پریشان بیٹھا، قدرت کی اس عجیب و غریب افتاد پر بے بسی سے ہاتھ مل رہا تھا۔ انسان کے جس عمل میں اس کی نیت اور محنت کارفرما نہ ہو تو اس کے اچھے یا برے نتائج میں انسان کو موردالزام ٹھہرانا کہاں کا انصاف ہے۔ فون کی گھنٹی بجی تو وہ کرسی پر اچھل ہی تو پڑا۔ ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں چمک رہی تھیں "ہیلو امان بول رہا ہوں" دوسری طرف سے آواز آئی " جناب امان صاحب ہمیں افسوس ہے کہ ہم اپنی آرٹ گیلری میں آپ کی تصویروں کی نمائش نہیں کر سکتے آپ کسی اور جگہ چاہیں تو بخوشی"۔ امان نے فون رکھ دیا۔ دوبارہ گھنٹی بجی "جی امان سپیکنگ۔" "جی سر کیسے ہیں آپ؟ وہ آپ کو ایک تو خاص نمبر کیلئے پورٹریٹ بنانے کیلئے کہا تھا وہ رہنے دیں کیونکہ اس شاعر نے منع کر دیا ہے۔" "لیکن رضا صاحب اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں ہے۔" امان نے بے بسی سے کہا "اصل میں اس شاعر نے منع کر دیا ہے ان کا کہنا ہے کہ آپ مجھ پر خاص نمبر بھی نہ نکالیں کیونکہ بقول ان کے انہیں مرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ پلیز آپ ان کا پورٹریٹ نہ بنائیں" یہ کیا اس سے پہلے بھی کئی فون آئے اور امان کے رزق پر لات مار دی گئی۔ امان نے دائیں طرف رکھے وہ تین پورٹریٹ اٹھائے۔ یہ تینوں پورٹریٹ، گزرے ہوئے ان تینوں بدترین واقعات کی وجہ تھے بلکہ ثبوت تھے۔ امان نے یہ پورٹریٹ ایک کونے میں پھینک دیئے۔ نوک دار سطح پہ گرنے سے ان کے کینوس پھٹ گئے اور چہرے بے شکل ہو گئے۔ یہ وہ چہرے تھے جو امان کے برش سے کینوس پر وجود میں آئے تو زندگی کے کینوس سے مٹ گئے۔ غصے اور نفرت سے اس کے گلے کی رگیں تن گئیں تھیں۔ اس سارے قصے میں امان کا کوئی دوش نہیں تھا اس کا فن موہوم کو ظہور دینا تھا پھر اس کے برش سے متشکل چہرے، صفحہ ہستی سے مٹ جاتے کیوں؟ یہ سوال اس کے ذہن میں کلبلا رہا تھا۔ مصوری اس کا شوق تھا اور پیشہ بھی۔ اسے اس کے سوا آتا ہی کیا تھا۔ فنکار عموماً تنگ دست ہوتے ہیں اور اوپر سے یہ بلا بھی مسلط ہو گئی تھی کہ روزی کا ہر وسیلہ بند ہو گیا وہ منتظر رہتا مگر تصویریں خریدنے والا کوئی نہ ہوتا جب نوبت فاقوں تک آ گئی تو اس نے گھر کا سامان بیچنا شروع کر دیا لیکن اس اکیلے کیلئے سامان ہی کتنا تھا اور یہ کب تک ضرورت پوری کرتا۔ بھوک پھر کیل کانٹوں سے لیس، امان کو چت کر دیتی۔ معاشرے سے کٹ کر کوئی کہاں

تک جی سکتا ہے۔ لوگوں کا بس چلتا تو امان کو اس کے سمیت کسی دوسرے سیارے پر منتقل کر دیتے۔ وہ، کس قدر بے بس تھا جب، کسی طور چین نہ آیا تو وہ گھر سے باہر نکل آیا۔ اس کے اردگرد کتنی رنگینیاں بکھری تھیں وہ ہاتھ بڑھا کر انہیں چھو سکتا تھا محظوظ ہو سکتا تھا۔ مگر دنیا والوں کے برف دلوں نے ہر آگ ٹھنڈی کر دی تھی اور پیٹ کی آگ نے ہر حسن کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ اس کے پیٹ میں مروڑ اٹھ رہے تھے۔ وہ خوشحال تو کبھی نہیں رہا تھا مگر اب وہ کیا کرے۔ کئی آتے جاتے لوگ جو اس کے چہرے اور کام سے واقف تھے اس پر نظر پڑتے ہی بھیڑ میں گم ہو جاتے جیسے امان جال بچھائے شکار کو دام میں لانے کی سازشیں کر رہا ہو۔ ہر شخص ڈرتا کہ کہیں امان اس کے چہرے کے نقوش ذہن میں ازبر کر کے اپنے زہریلے کینوس پہ منتقل نہ کر دے۔ وہ رنجیدہ ہو گیا سب نے مجھے دکھ دیا پالنے والوں نے، ساتھ رہنے والوں نے اور اب اجنبی لوگ بھی، وہ نقاہت سے مجبور ہو کر سڑک کنارے ایک بینچ پر لڑھک گیا۔ اچانک اس کی نظر قریبی جھاڑی سے جھلکتے، کالے رنگ کے پھولے ہوئے مردانہ بٹوے پر پڑی۔ اس نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اسے اچک لیا۔ اس میں کافی رقم تھی۔ امان کو یقین تھا کہ یہ اس کے دو ہفتے نکال دے گی۔ سب نے امان سے منہ موڑ لیا تھا کوئی اس سے بات نہ کرتا مشہور ہستیاں اس سے دور بھاگتیں۔ وہ جہاں جاتا بھیڑ چھٹ جاتی۔ نجانے عام لوگوں کو اس سے کیا خوف تھا۔ اس کے دروازے کی گھنٹی تو شاید زنگ آلود ہو گئی۔ تھی اس کا فون خاموش ہو گیا تھا۔ وہ تنہا رہ گیا۔ اس کا فلیٹ اس کی آواز کو ترس گیا تھا وہ دکان داروں سے گنے چنے جملے بولتا کوئی اس کی دلی کیفیات سننے کو تیار نہ تھا۔ کیا واقعی میرے ساتھ یہی ہو گا کہ میرے ہاتھوں جو چہرہ بنے گا وہ فنا ہو جائے گا میرے ہاتھوں میں کیوں زہر دے دیا گیا ہے؟ میں تو بے قصور ہوں پھر مجھ سے اتنی نفرت کیوں آخر کیوں؟ اگر مجھے بٹوہ نہ ملا ہوتا تو میں بھی بھوک سے اس ایزل پہ سج چکا ہوتا۔ وہ شدت جذبات سے کانپنے لگا۔ لوگوں کی بے مروتی اور تنہائی نے اس کے اندر انتقام بھر دیا تھا۔ اس نے برش رنگ آلود کیا اور پورٹریٹ بنانے لگا۔ ہر رات ایک نیا پورٹریٹ اس کے ایزل پہ سجنے لگا۔ ہر اس شخص کا پورٹریٹ جس نے اسے دکھ دیا تھا۔ اس کے چچا کا جس نے اسے مار مار کر اور بھوکا رکھ کے پالا تھا، چچا زاد بھائی کا جس نے اس کی جائیداد ہڑپ کر لی، منگیتر کا جو بے وفا اور بدکردار نکلی۔ اور اڑتی اڑتی خبریں اس کے چہرے پر وحشی مسکراہٹ لے آتیں خونی مسکان۔

رات کا پچھلا پہر تھا۔ طوفانی بارش کا شور تیز ہوا سے درخت جڑوں سے اکھڑتے محسوس ہو رہے تھے۔ زور سے کڑکتی بجلی کی روشنی امان کے کھنڈر نما اسٹوڈیو کو اور زیادہ آسیب زدہ بنا رہی تھی۔ امان اپنے ہم شکل بھائی ثوان کا پورٹریٹ بنا رہا تھا جس نے باپ کو قتل کر کے اسے بے امان کر دیا تھا۔ صبح ہوئی لوگ سفید کپڑے سے ڈھانپے امان کے ٹھنڈے وجود کے گرد اکھٹے تھے۔ اسٹوڈیو کی دیواروں پر امان کے ہاتھوں کے بنے پورٹریٹ آویزاں تھے۔ اس کا اسٹوڈیو مقتل ہی تو تھا۔ ایزل پہ ثوان کا پورٹریٹ سجا ہوا تھا جس میں وہ دائیں طرف آنکھیں گھمائے مسکرا رہا تھا۔ امان سے یہیں ایک چھوٹی سی غلطی ہو گئی تھی جو جان لیوا ثابت ہوئی۔ امان اور ثوان، ہم شکل بھائیوں میں صرف ایک ہی فرق تھا۔ ثوان کی دائیں آنکھ پتھر کی تھی جو حرکت نہیں کر سکتی تھی۔

بھنبھور

زاہدافغان

شہر کراچی سے تقریباً ساٹھ کلومیٹر کی مسافت پر شہر بھنبھور کے کھنڈرات کی مشرقی طرف پریتم گم سم بیٹھا تھا۔ اس کی نگاہیں مغرب کی جانب دور کہیں افق میں اٹکی تھیں۔ سرمئی بادل.... ہاں وہ سرمائی بادل ہی تھا۔ بادل کی پرچھائیں اس کی آنکھوں میں جم سی گئی۔ وہ بدلی اسے کسی مصور کا شہ پارہ نظر آئی۔ اس کے احساسات نے اس فن مصوری کی زبان میں سرگوشی کی.... اس بدلی کو غور سے دیکھو! لگتا ہے کسی عظیم الشان مصور نے شہر بھنبھور کے عین اُوپر سسّی کی پینٹنگ بنا کر اسے آسمان میں ڈوبتے سورج کی لالی پر ٹکا دیا ہے۔ پینٹنگ کو دیکھ کر وہ بے خود سا ہو گیا۔ دن کی سفیدی، رات کی تاریکی سے گلے ملنے کیلئے مضطرب تھی۔ ادھر اس کا دل آج نہ جانے کیوں عشق آمیز سجدوں کیلئے مچل رہا تھا۔ نہا دھو کر پریتم اپنی گیلی زلفوں سے ٹپکنے والے پانی کے قطروں کو پیشانی سے ہٹاتے ہوئے سجدہ ریزی کی تیاری میں مگن ہو گیا۔ غروبِ آفتاب کا یقین کرنے کیلئے مغرب کی طرف دیکھا ہی تھا کہ اس کی آنکھیں پلک جھپکنے کے عمل سے نا آشنا ہو گئیں۔ بادل پر بنی تصویر کو دیکھ کر اسے لگا کہ جیسے مصور نے عِشق کے رنگوں میں برش کو بھگو کر بڑی شدت سے کینوس پر سڑوک مارے ہوں۔ شاید اسی لئے پینٹنگ کے بیرونی کنارے سامراجی تقسیم کے نتیجے میں بننے والی کسی ریاست کی طرح بڑی بے دردی سے کٹے پھٹے ہوئے تھے۔ تصویر میں اسے سسّی کا ہیولہ نظر آیا۔ وہ سسّی کے نین نقش ذہن نشین کر لینا چاہتا تھا مگر اس کا ذہن احساسات کی زبان سمجھنے سے قاصر تھا۔ سسّی اسے گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی نظر آئی۔ اس کی پرسوز تصویر کے قدموں میں بادل کا ایک دوسرا ٹکڑا سسّی کے مبہوت کر دینے والے حسن کے دربار میں سرنگوں کھڑا تھا۔ بادل پر نقش یہ تصویر گویا ہاتھ باندھے سسّی سے معافی کی خواستگار تھی۔ معافی کے طلبگار شخص کی لمبی لمبی لٹوں نے اس کے چہرے کے خدوخال کو چھپا دیا تھا۔ وہ شاید کیچ مکران کا شہزادہ پنوں تھا۔ پنوں کی شہزادگی ہی نے اسے اپنے محبوب کے سامنے بے وقعت کرایا تھا۔ پریتم کو متردّد پنوں کھڑا یوں سوچتا نظر آیا، اے کاش! میں شہزادہ نہ ہوتا۔ مجھے اپنی سسّی سے جدا کر کے لے جانے والے کتنے کوتاہ خیال تھے۔ میری شہزادگی کو کسی بے مایہ لڑکی کی ذات میں گم ہونے سے بچانے والے اپنی سزا آپ پا گئے۔ آج دھرتی باسیوں نے انہیں اور ان کی جاہ و جلال والی سلطنت کے نام و نشان کو مٹا دیا۔ لوگ پنوں کے شاہی خاندان اور ان کی سلطنت کے نام تک سے واقف نہیں رہے مگر پنوں کو ضرور پہچانتے تھے۔ ریاست کیچ مکران کے شہزادے پنوں کو نہیں بلکہ سسّی کے پنوں کو۔ اسے سسّی کی چاہت نے بچا لیا ورنہ پنوں کے آباء کی طرح اسے بھی آج کوئی نہ پہچان پاتا۔

بادل کے ٹکڑوں پر بنی سسّی پنوں کی یہ تصویریں پریتم کو ایک دوسرے سے محو گفتگو نظر آئیں۔ پریتم کو لگا جیسے سسّی نے پنوں کی التجا پر بالآخر سر اٹھایا اور کھوئے ہوئے لب و لہجے میں کہا پنوں! تمہیں تمہاری چاہت نے نہیں بلکہ میری چاہت نے بچا لیا ہے۔ یہ میری چاہت تھی، یہ میری وارفتگی کا عکس تھا۔ اس عکس کی پرچھائیاں تم نے اپنے جسم و جاں پر محسوس تو کیں مگر انہیں پہچان نہ پائے۔ تمہیں شاید یاد نہ ہو مگر میں جانتی ہوں کہ میں مشرقی تہذیب کی

بیٹی ہوں۔ اس تہذیب کی بیٹیاں اپنی ذات کی بے پردگی تو کیا اپنے نام کی بے حجابی پر بھی تڑپ اٹھتی ہیں۔ مگر تیرے لئے میں نے اپنی صفات اور اس سے بڑھ کر اپنی ذات کو نامحرم گلی کوچوں، ندی نالوں، جنگل بیلوں، پرندوں چرندوں، کوہساروں اور پھر آدم زادوں کے سامنے بے پردہ کیا.... آج دھرتی واس میرے پاک نام کو اپنے کلام میں گنگناتے پھر رہے ہیں۔ کیا بھلا کوئی دوشیزہ یوں میری طرح اپنے نام کی تشہیر گوارا کرسکتی ہے؟ میں چپ رہی، لبوں کو سیے رکھا۔ بھلا کیوں؟ تم جانتے ہو! میں نے ایسا کیوں کیا، پنوں نے بڑی بے کلی سے کہا۔ مجھے پانے کیلئے۔ پنوں کے جواب کو تحمل سے سنتے ہوئے سسّی نے دردانگیز لہجے میں صرف اتنا کہا.... تو تم ابھی تک اپنے آپ سے نہیں نکل پائے! میری تلاش بھی تمہاری طرح تھی مگر ایک ذرا فرق کے ساتھ۔ تمہاری طرح میں بھی تمہیں ڈھونڈنے نکلی تھی مگر اپنی پہچان کیلئے۔ میں ڈار سے بچھڑی کونج کی طرح کرلاتی رہی مگر تم یہ سب نہیں جانتے۔ میں اس تلاش میں جہاں پہنچی تھی وہاں جنس کے ساتھ ساتھ زمان و مکان کا بھی کوئی وجود نہیں تھا۔ وہاں میں خود ہی سسّی تھی اور خود ہی پنوں۔ سسّی نے پنوں کو سمجھانے والے انداز میں کہا، شمع کے گرد کبھی پروانے کو منڈلاتے دیکھا؟ پروانہ بھلا کیوں شمع کا طواف کرتے کرتے جل کر راکھ ہو جاتا ہے؟

پروانہ اپنے من میں شمع کی لو جیسا شعلہ دیکھتا ہے۔ پروانے کو اپنے تن من میں بھڑکتا آگ کا وہ شعلہ شمع کی لو میں نظر آتا ہے تو وہ شمع کی لو کو دیکھ کر حیرانی اور پریشانی میں اس کا طواف کرتا ہے اور پھر تحیر کی سرحدیں عبور کر کے شمع کے من میں جلتی اپنی لو سے گلے مل کر اپنی ہی آگ میں بھسم ہو جاتا ہے۔ شاید آج بھی لوگ شمع اور پروانے کی طرح سسّی اور پنوں دو الگ الگ روپ سمجھتے ہوں۔ حالانکہ سسّی، پنوں دو نہیں بلکہ ایک ہی ذات کی دو صفات ہیں۔ بس ایک ذات ہی تو ہر سو ہے۔ وہ افق کے پار ظاہر کی دنیا میں دیکھو! سسّی کی انگلی کو پریتم نے بادل پر بنی تصویر سے باہر اپنی طرف اٹھا دیکھا تو پریشان ہو گیا۔ سسّی تو پریتم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں کہ وہ دور بیٹھا شخص اس راز کو پانے میں لگا ہے۔ سسّی کی توجہ دلاتی انگشت نے پریتم کے خیال میں ارتعاش پیدا کر دیا۔ وہ ایک جھٹکے سے اپنے تصور سے جدا ہو گیا۔ اسے اپنی نماز کا خیال آیا۔ وقت مغرب کا اعلان کرنے والے مؤذن کی آواز تو شاید کب کی فضا میں گونج گونج کر منتشر ہو چکی تھی مگر مؤذن کی گونجدار اور بے تاثیر اذان اسے اپنی طرف متوجہ نہ کر پائی تھی اور ایک بادل پہ بنی سسّی کی بے حرکت شبیہ تھی جس نے پریتم کو اس کی نماز سے بے پروا کر دیا تھا۔ اپنی دنیا میں پلٹتے ہی اس کی سجدہ ریزی کی خواہش بھی دور کہیں مؤذن کی آواز کی طرح معدوم ہو چکی تھی۔ پریتم نے سسّی کے اس دیدار کو ہی اپنی نماز جانا اور بن سجدہ کئے ہزار مقبول سجدوں کا یقین لیے اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ بادل پر بنی سسّی کی شبیہ نے اسے خود بادل کر دیا تھا.... پاگل کر دیا تھا۔

درِ سنگم کے خوش رنگ، خوش نما اور خوشبو سے مہکتے پھولوں کی نس نس میں سسّی اتر آئی تھی۔ کوئل کی کُوکُو، جنگلی کبوتروں کی غٹرغوں، چڑیوں کی چہکار، لالیوں کی چائیں چائیں، بھنوروں کی زوں زوں اور ہوا کی سائیں سائیں گویا سب کے سب سسّی کے ہم نوا بنے پریتم کو سسّی کے شہر بھنبھور بلا رہے تھے۔ وہ پچھلے تین ماہ سے اڑھائی میل کی مسافت نہیں پاٹ سکا تھا۔ اتنے دنوں سے وہ شاید اپنی روح کو شہر بھنبھور کے طواف کے لیے پوتر کرتا رہا تھا۔ آج بے خودی کے عالم میں پریتم اٹھا اور اور اپنے پہلو میں بیٹھے شاویز اور طاہر سے کہا ہماری بھنبھور یاترا کا سمے آ گیا ہے۔ وہ دیکھو مغرب کی اور ہمیں کوئی بلا رہا ہے۔

ٹھٹھہ روڈ کے مغرب میں تارکول کی سڑک گویا ان کیلئے چشم براہ تھی۔ سڑک کے بائیں جانب اڑھائی اڑھائی فٹ لمبی پتھر کی سلیں ایک سیدھی قطار میں گڑی تھیں۔ گویا یہ سلیں انہیں سسّی کے شہر پہنچانے والی گائیڈ تھیں۔ ان سلوں پر سات حرفی عبارت شہید کو اپنی عقیدت کے پھول پیش کر رہی تھیں۔

یہ شہید ذوالفقار علی بھٹو کے نام سے شہرہ آفاق یونیورسٹی "ZABIST" کی حد بندی کے نشان تھے۔ یہ یونیورسٹی مشرق میں پنجاب، سرحد اور بلوچستان جانے والی ریل کی پٹڑی تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور مغرب میں یہ سسّی کے شہر بھنبھور کے پہلو میں بہنے والے سندھ ساگر کو چھو رہی تھی۔ یونیورسٹی کو یوں بھنبھور سے جڑا دیکھ کر پریتم کو لگا جیسے سسّی کی گرمی خیال نے اس دھرتی کے سپوت کے نام پر بننے والی دانش گاہ کو اپنے پہلو میں لٹایا ہوا تھا۔ یونیورسٹی کے احاطے میں اگے جھاڑ جھنکار پریتم کو سرگوشیاں کرتے نظر آئے کہ آتے دنوں میں اس دانش گاہ میں نادر و نایاب ہیرے تراشے جائیں گے۔ ان ہیروں کی چمک دمک سے حق کی راہ میں شہادت پانے والے اور عشق کی راہ میں قربان ہونے والوں کا نام ایک بار پھر مشرق و مغرب میں بلند ہوگا اور وہ آدم زادوں کو اس دھرتی پر انسانوں کی طرح رہنے کا سبق پڑھائیں گے۔

نور پور نامی قصبہ سے سڑک دائیں مڑی۔ سڑک کے ایک جانب لکڑی کی پھٹی پر غیر ہنر مند ہاتھوں سے ٹیڑھا میڑھا لکھا تھا.... بھنبھور..... ایک کلومیٹر کے بعد سڑک کی دائیں طرف انہیں مزار بابا شاہ عبداللہ نظر آیا۔ مزار کی چھت کو لوہے کی زنگ آلود شیٹوں سے ڈھک دیا گیا تھا۔ مزار کے سائے میں بیٹھے مجاور نے پریتم کو دیکھا تو بے ساختگی سے کہا..... پیر فقیر تحفہ یا علیؑ مدد..... درگاہ سے آگے انہیں ایک اور موڑ نظر آیا۔ موڑ سے پہلے انہیں ایک ضعیف عورت اور چار بچے جست کے کٹوروں میں پیلو لیے مخالف سمت جاتے نظر آئے۔ سن رسیدہ خاتون سے پریتم نے پوچھا پیلو ہیں؟ بزرگ خاتون نے اثبات میں سر ہلایا اور کہا پیلو پھانکو گے؟ پریتم بزرگ عورت کی فراخ دلی پر خوش ہوا۔ بزرگ عورت نے نیلے نیلے، پیلے کالے اودے، ہرے اور سرخ پیلو اس کی ہتھیلی پر دھر دیئے۔ پیلو کو اس نے ایک ساتھ پھانکا۔ پیلو پہلے پہل امرت دھارے کی طرح اسے تیکھے تیکھے لگے۔ وہ چکرا سا گیا مگر پھر پیلو کی تمام تیز طراری معصوم مٹھاس میں بدل کر اس کے رگ و پے میں اتر گئی۔ وہ بزرگ خاتون کی پذیرائی اور پیلو کی اس ضیافت کو سسّی کی طرف سے بھیجا گیا تحفہ سمجھ کر آگے بڑھ گیا۔ موڑ مڑتے ہی ان کی نگاہ کے سامنے آثار قدیمہ کی عمارت کھڑی تھی۔ سائین بورڈ پر شہر بھنبھور کی تاریخ رقم تھی۔ وہ چھوٹے سے جنگلہ نما لوہے کے داخلی گیٹ پر پہنچے۔ گیٹ کیپر نے ٹکٹ کا پوچھا۔ پریتم نے جواب دیا ہم تماش بینی کیلئے یہاں نہیں آئے۔ ہم تو سسّی مائی کے شہر بھنبھور کا طواف کرنے آئے ہیں۔ عاشقوں کے ڈیرے کا طواف بھی بھلا پیسے دے کر ہوتا ہے؟ پریتم کے جواب پر گیٹ کیپر نہ جانے کیوں چپ سا ہو گیا۔ حالانکہ وہ سرکاری ملازم تھا۔ سرکار، پیار محبت اور حسن جیسے لطیف و شدید جذبوں سے دور ہوتی ہے اور اگر کسی سرکار کو ان جذبات سے پالا پڑ بھی جائے تو وہ انہیں اپنے اجارہ دارانہ مفادات کے دفاع کیلئے استعمال کرنا شروع کر دیتی ہے۔

پریتم اور اس کے ساتھی دروازہ عبور کرکے آگے بڑھے۔ ایک طرف پانی کا حوض بنا تھا جس سے پلاسٹک کا ایک میلا کچیلا گلاس ڈوری سے بندھا تھا۔ باری باری سب نے پانی پیا اور میوزیم کی طرف بڑھ گئے میوزیم سے نکلے تو شہر بھنبھور کے کھنڈرات ایک ٹیلے پر ان کی نگاہوں کے سامنے بچھے تھے۔ ہاں وہ ایک ٹیلہ ہی تھا۔ وہ ہزار سال سے بھی کہیں پہلے اس شہر کا سنگ بنیاد رکھا گیا تھا۔ پریتم کو کھنڈرات کے ایک طرف صنعتی علاقہ لکھا نظر آیا۔ صنعتی علاقہ کیا تھا؟ بس ایک چھوٹے سے احاطے کے چاروں اطراف چونے سے ایک چوکور سا احاطہ بنا ہوا تھا جس میں سات آٹھ مٹی کے حوض دھنسے ہوئے تھے جن کے صرف کنارے ظاہر تھے۔ شاید کسی لوہار کے گرم لوہا پانی بجھانے والے تغار تھے۔ اپنی آنکھوں کے سامنے بکھرے صنعت کے آثار دیکھ کر پریتم نے مغرب سے اٹھتے ہوئے دھوئیں کے گاڑھے سیاہ بادل دیکھے۔ زمانہ جدید کی انڈسٹری کی یہ چمنیاں زہریلا دھواں اُگل رہی تھیں۔ دھوئیں کے بادل آسمان کی طرف لپک رہے تھے اور انہوں نے ڈوبتے

سورج کی گلابی سطح کو داغ دار اور چھدرا کر دیا تھا۔ پریتم کے منہ سے بے ساختہ نکلا، واہ ہم نے بھی کیسی ترقی کی ہے! اپنی ترقی کے ہاتھوں آج ہم مظاہرِ فطرت کے حسن کو گہنانے کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ وہ لوگ وہاں سے ہٹ کر ایک چھوٹی سی چڑھائی چڑھے ان کے سامنے بھنبھور شہر کے کھنڈرات اپنی عظمتِ رفتہ کے نغمے درد انگیز انداز میں گا رہے تھے۔ ایک طرف ایک ٹوٹا پھوٹا سا کنواں بنا تھا دوسری طرف ایک چھوٹے سے کمرے میں چونے کی مٹی سے فرش لپا ہوا تھا۔ اس کمرے سے تھوڑا ہٹ کر شہرِ گم گشتہ کے بازار کی ایک بھدی سی تختی آویزاں تھی۔ وہ اب شہر کی جنوبی فصیلوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جنوب میں دریائے سندھ شہر بھنبھور کے پاؤں چھوتا اسے پرَنام کرتا گزر رہا تھا۔ ایک عجیب سا سماں تھا۔ دریا اپنے وجود کو دو کناروں میں سنبھالے رکھنے کی بجائے سیلابی پانی کی طرح تاحدِ نگاہ پھیلا ہوا تھا۔ ہزاروں ایکڑ قابل کاشت رقبہ سمندر میں ڈیلٹا نہ بننے کی وجہ سے زیرِ آب تھا دریا میں کشتیاں ادھر ادھر بکھری کھڑی تھیں۔ ملاحوں کے جھونپڑوں سے دھواں اُٹھ رہا تھا اور ملاح جھونپڑوں سے باہر انجانی سی آسودگی میں ادھر ادھر گھوم پھر رہے تھے۔

پھر یکا یک ایک گہری سیاہ اور گہرے نیلے چمکیلے رنگ کی ننھی منی سی چڑیا پریتم اور اس کے ساتھیوں سے کچھ فاصلے پر بیٹھ کر اپنی معصوم سی بولی میں چہکنے لگی۔ چڑیا کی چہکار سے انہیں لگا کہ جیسے سسّی انہیں اپنے گھر آنے پر خوش آمدید کہہ رہی ہو۔ پریتم نے اس چڑیا کو مرکز نگاہ بنالیا اور چڑیا پھدک پھدک کر انہیں شہر بھنبھور کی سیر کراتے ہوئے ایک تھلے پر لے گئی جہاں لوہے کی ایک پلیٹ پر لکھا تھا "مشرقی ایشیا کی پہلی مسجد"۔ مسجد کو دیکھتے ہی پریتم کے ذہن میں خیال آیا کیوں نہ واپسی سے پہلے سجدہ ریزی کی خواہشِ گذشتہ کو محمد بن قاسم کی تعمیر کردہ اس مسجد کی سلوں پر پورا کیا جائے؟ پریتم کے اس خیال پر چڑیا بھی چہک اٹھی۔ محراب میں بیٹھی چڑیا کی بھی شاید یہی صلاح تھی۔ پریتم دھیرے سے اٹھا اور شہر بھنبھور کی عارف شہزادی اور اس کے خالق کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا.... دوئی کے بادل چھٹ چکے تھے اور عشق آمیز اکائی کا ماہتاب پوری آب و تاب سے چمکنے لگا۔ سسی کا شہر بھنبھور شہد گھلی میٹھی چاندنی میں ڈوب گیا۔ پریتم کا من، تن کے پاتال سے اُبھرا اور نئی مسافتوں کے آغاز کا اعلان کرتے ہوئے چہار سو پھیلی ریت کے ذرّے ذرّے میں بٹ گیا؛؛

☆☆☆☆☆

فرمان قائد

مسلم طلباء کے لئے لائحہ عمل

آپ ہندوستان کے مسلمان طلباء کی اس طرح تنظیم کیجئے کہ وہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے ایک نقطے پر جمع ہو جائیں اور ملت اسلامیہ کی معاشرتی، اقتصادی اور تعلیمی ترقی کے لئے تعمیری لائحہ عمل ترتیب دیں۔ ثقافت اسلامی اور تعلیمات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا احیاء کریں اور ہندوستان کی مختلف اقوام کے درمیان بھائی چارے اور خیر سگالی کے جذبات پیدا کریں۔

(آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن جالندھر 15 نومبر 1942ء)

خاموش محبت

راجہ طاہر محمود

ساتھ والے مکان میں نئے کرائے داروں کی آمد سے ایک دھما چوکڑی مچی ہوئی تھی چونکہ بچوں کی ایک فوج ظفر موج تھی جس کی وجہ سے مختلف قسم کی آوازیں ہماری سماع خراشی کا باعث بن رہی تھیں۔ طبیعت عجیب الجھاؤ کا شکار تھی۔ نئے کرائے داروں کے آنے سے دن رات کی تفریق ختم ہو چکی تھی ہر وقت اُوں آں اور مار پیٹ کا سلسلہ جاری رہتا۔

ہمیں چونکہ مطالعے کی عادت ہے جو ہم اکثر رات کی وقت پوری کر لیا کرتے تھے لیکن اب دن رات ''چہ معنی دارد'' ہمہ وقت شور شرابے سے تنگ آ کر ہم نے مکان کی چھت پر مطالعہ کے لئے منتقل ہونے کے بارے میں سوچا۔ اپنی کتابیں (بمعہ میز کرسی) لے کر ہم چھت پر چل گئے۔ چھت پر مطالعے کا دوسرا دن تھا کہ اچانک ساتھ والی چھت پر نظر پڑی اور پھر وہیں کی ہو کر رہ گئی۔

ہم نے اتنی خوبصورت آنکھیں اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہ دیکھی تھیں۔ شاعر نے بھی شاید ایسے ہی کسی موقعہ کے لئے کہا ہوگا:

ع تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے

ہم دل پھینک تو نہیں تھے اس کے باوجود ہمارا دل بے قابو ہوتا ہوا محسوس ہوا اور پھر روز کا معمول بن گیا۔ کتاب تو ہمارے ہاتھ میں ہوتی لیکن آنکھیں کسی کو تلاش کر رہی ہوتیں، کبھی دیدار ہو جاتا تو کبھی مایوسی لیکن آنکھیں تو جیسے جم کر رہ گئیں۔ پہلے پہل تو اس کی آنکھوں میں وحشت اور بیگانگی نمایاں نظر آئی مگر رفتہ رفتہ ان میں بیگانگی کی جگہ مانوسیت لینے لگی اور وہ اس شعر کے مصداق:

رفتہ رفتہ وہ میری ہستی کا ساماں ہو گئے
پہلے جاں پھر جانِ جاں پھر جانِ جاناں ہو گئے

والا معاملہ ہو گیا لیکن نہ تو ہمیں اس قاتلہ کا نام معلوم ہوا اور نہ ہی کسی قسم کی بات چیت ہوئی۔ دائیں بائیں سے معلوم ہوا تو صرف اتنا کہ موصوفہ کو ''بھوری'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ نام سن کر ہمیں حیرت اس لئے نہ ہوئی کہ موصوفہ اسم با مسمّیٰ تھیں۔ اس کی آنکھیں گہری سبزی مائل تھیں کہ جس میں ہم ڈوب کر رہ گئے تھے۔

اسے قریب سے دیکھنے کی خواہش دن بدن جوان ہونے لگی۔ پھر قدرت کو ہماری بے بسی پر ترس آ گیا، ہوا یوں کہ ایک دن ہمارے گھر والے ہمیں گھر میں نگہبان مقرر کر کے ہماری پھوپھی زاد کی شادی میں شرکت کے لئے فیصل آباد روانہ ہو گئے۔ ہم جیسے ہی چھت پر گئے اسے اپنا منتظر پایا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ ہم نے اس کی طرف قدم بڑھائے، ہمارا پورا جسم پسینے سے شرابور تھا لیکن دل ہمیں مسلسل اس کی طرف پیش قدمی پر مجبور کر رہا تھا۔ پہلے تو وہ ہمیں اپنی طرف آتا دیکھ کر بھاگ کر نیچے چلی جاتی تھی، لیکن خلاف توقع آج وہ اپنی جگہ کھڑی رہی۔ اس بات نے ہمیں حوصلہ دیا، ہم نے محسوس کیا کہ ''دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی'' والا معاملہ ہے جو آگ ہمارے دل میں سلگ رہی ہے اس میں وہ بھی مبتلا ہے۔

فاصلے سمٹتے چلے گئے ہم نے اسے بانہوں میں بھر لیا اس نے بھی معمولی سا کسمسانے کے علاوہ کوئی جدوجہد نہ کی۔ آج سارے فاصلے مٹ گئے تھے۔ ہم نے اسے جی بھر کر پیار کیا، وہ تھی بھی تو پیار کے قابل۔ ہم نے اپنی زندگی میں ایسی پالتو بلیاں کم ہی دیکھی تھیں جو اتنی خوبصورت بھی ہوں، کیا آپ نے دیکھی ہیں؟

☆☆☆☆

نسرین عصری

میرے اللہ

میرے اللہ
سن تو میری دُعا
میرے اردگرد کے ماحول کو تو۔۔۔؟
خوبصورت پھولوں سے بھر دے
میرے ماحول کی قید تتلیوں کو آزادی دے
میرے ماحول سے
بارُود کی بُو دھماکوں کی گندی آوازیں
ختم کردے ختم کردے
میرے اللہ
سن تو میری دُعا
میرے اردگرد کے ماحول سے
چیخوں کی آوازیں اور خوف کی سسکیاں ختم کردے
میرے مالک تو میرا رب ہے
میری دُعائیں سننے والا میری پریشانیاں دور کرنے والا
مجھے سیدھی راہ دکھانے والا
میرے مالک یہ کہاں سے کون آ گیا ہے
میرے پھولوں بھرے باغ کو اجاڑنے والا
میرے باغ کی تتلیوں کو اڑانے والا
میرے پھولوں سے خوشبو چُرانے والا
سن تو میری دُعا میری التجاء
میرے دیس
پاکستان کو پھر سے پھولوں تتلیوں والا دیس بنادے

آمین

OUR DOCUMENTARIES

S.No.	Name	Language	Price (Pak Rs.)	Price (US $)
1.	**Quaid-i-Azam, Mohammad Ali Jinnah** (Speeches and Statements as Governor-General 1947-1948) (Hardbound)	English	150/-	05/-
2.	**Quaid-i-Azam, Mohammad Ali Jinnah** (Speeches and Statements as Governor-General 1947-1948) (Paperback)	English	95/-	04/-
3.	**Quaid-i-Azam, Mohammad Ali Jinnah** (Speeches and Statements as Governor-General 1947-1948) (Paperback)	Urdu	95/-	04/-
4.	**Quaid-i-Azam, Mohammad Ali Jinnah** (An Album of Photographs 1876-1948) (Hardbound)	English	425/-	17/-
5.	**Quaid-i-Azam, Mohammad Ali Jinnah** (An Album of Photographs 1876-1948) (Paperback)	English	350/-	17/-
6.	**Quotes from the Quaid** (Hard Bound/Paperback)	English	50/-	03/-
7.	**Jinnah and His Times** (by Aziz Beg)	English	250/-	10/-
8.	**Mohammad Ali Jinnah, Founder of Pakistan** (An Album of Photographs 1876-1948) (Hardbound)	English	400/-	17/-
9.	**Madar-i-Millat Sarmaya-e-Millat** (by Sharif Farooq)	Urdu	250/-	10/-
10.	**Madar-i-Millat Mohtarma Fatima Jinnah** (An Album of Photographs/Hardbound)	English	250/-	10/-
11.	**Pakistan - From Mountains to Sea** (By Mohammad Amin-Duncan Willets-Graham Hancock)	English	650/-	20/-
12.	**Pakistan** (Paintings by Lin Young and Su Hua)	(English, Arabic, French, Chiness)	500/-	20/-
13.	**Pakistani Handicrafts**	English	100/-	04/-
14.	**Pakistan Chronology** (1947-1997) (Hardbound)	English	300/-	16/-
15.	**Pakistan Chronology** (1947-2001) (Hardbound)	English	450/-	17/-
16.	**Pakistan Chronology** Vol. I-VI (1947-2001) (Paperback)	English	400/-	15/-
17.	**Pakistan Chronology** Vol. I-VI (1947-2006) (Paperback)	English	600/-	25/-
18.	**Muslim Art & Heritage of Pakistan** (By Dr. Ahmad Nabi Khan)	English	100/-	04/-
19.	**Gandhara Art in Pakistan** (by Dr. A.H. Dani)	English	100/-	04/-
20.	**Wahdat-e-Afkar** (An Anthology of Regional Poetry)	Urdu	100/-	04/-
21.	**Islami Muasharti Iqdar**	Urdu	15/-	01/-
22.	**Pakistan Pictorial** (Monthly)	English	100/-(Per copy) 500/- (Annual)	100/- Annual
23.	**Mah-e-Nau** (Monthly)	Urdu	50/- (per copy) 500/- (Annual)	10/- Annual
	Mah-e-Nau "Bayad-e-Faiz" (Special Issue)	Urdu	400/-	10/-
	Mah-e-Nau "Ahmed Fraz Number" (Special Issue)	Urdu	400/-	10/-
24.	**Pak-Jamhuriat** (Monthly)	Urdu	10/- (per copy) 100/- (Annual)	15/- Annual
25.	**Abaseen** (Regular) **Abaseen** (Khushal Khan Khattak Number)	Pushto	25/- (per copy) 200/- (Annual)	20/- Annual
26.	**Ulus** (Mulla Fazil Number)	Balochi	25/- (per copy) 150/- (Annual)	20/- Annual

Purchase orders may be sent to
Directorate General of Films and Publications
B.F Building, Zero Point, Islamabad - Pakistan. Phone: (051) 9252265, Fax: (051) 9252176, 9252295

OUR DOCUMENTARIES

S.No.	Name	Duration
1.	**Allamalqbal** (Urdu/English) 35 MM/VHS (Black & White)	30 Minutes
2.	**Architecture in Pakistan** (Eng) 35 MM/VHS (Color)	20 Minutes
3.	**Art in Pakistan** (Eng) 35 MM/VHS (Color)	30 Minutes
4.	**Birth of Pakistan** (Eng) 35 MM/VHS (Black & White)	30 Minutes
5.	**Children of Pakistan** (Urdu) 35 MM/VHS U-Matic (Color)	20 Minutes
7.	**Green Turtles in Pakistan** (Urdu/Eng) 35 MM/VHS U-Matic (Color)	10 Minutes
8.	**Minorities in Pakistan** (Eng/Urdu) 35 MM/VHS U-Matic (Color)	20 Minutes
9.	**Marriage Customs** (Eng) 35 MM/VHS (Color)	20 Minutes
10.	**MirzaGhalib** (Urdu) 35 MM/VHS (Color)	80 Minutes
11.	**Pakistan - Past & Present (Eng)** 35 MM/VHS (Color)	30 Minutes
12.	**Pakistan - A Portrait** (Eng) 35 MM/VHS (Color)	30 Minutes
13.	**Pakistan Story** (Urdu) 35 MM/VHS (Black & White)	70 Minutes
14.	Quaid-i-Azam (Urdu) 35 MM/VHS (Color)	50 Minutes
15.	**Sohni Dharti Pakistan** (Eng) 35 MM/VHS U-Matic (Color)	30 Minutes
16.	**Gems & Jewellery** (Eng) 35 MM/VHS U-Matic (Color)	20 Minutes

DFP's Digital Studio

Purchase orders may be sent to

Directorate General of Films and Publications

B.F. Building, Zero Point, Islamabad - Pakistan. Phone: (051) 9252265, 9252189, Fax: (051) 9252176, 9252295

ANJUMAN WHOLE SALE FRUIT COMMISSION AGENTS
I-11/4, ISLAMABAD
OATH TAKING CERE
- 2011

وفاقی وزیر برائے اطلاعات ونشریات جناب قمر زمان کائرہ ڈپٹی چیئر مین پلاننگ کمیشن سردار آصف احمد علی
ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کو اسلام آباد میں این ای سی کے فیصلوں کے بارے میں مطلع کرتے ہوئے (4-6-2009)

وفاقی وزیر برائے اطلاعات ونشریات جناب قمر زمان کائرہ وفاقی وزیر برائے پانی اور بجلی راجہ پرویز اشرف
کے ساتھ اسلام آباد میں دیامیر بھاشا ڈیم پر ایک میٹنگ میں شریک ہیں (1-6-2009)

Monthly
Pak Jamhuriat
Lahore

June 2009

Regd. LRL No.82

صدر پاکستان جناب آصف علی زرداری کو پلاننگ کمیشن کے اراکین سالانہ ترقیاتی منصوبے
(2009-10) کے بارے میں ایوانِ صدر میں بریفنگ دیتے ہوئے (2-6-2009)

صدر پاکستان جناب آصف علی زرداری تاجر برادری کے ساتھ ایوانِ صدر میں ایک ملاقات کے دوران (2-6-2009)